



عقروں کی زندگی میں دربارِ شہزادوں
انہیں پادشاہِ حاکمہ جنگلات

مَحَاوِرِ صَفِیْ اَوْرَنگ آبادی

(محاور، روزمرہ، مقولے، ضرب المثل، کہاوت، تشبیہ و استعارے)

صَفِیْ حَضْرَاتِ کِیْفِی وَضِیَا کَاسِبِ تَصَدَّقِ ہے
کھیں طرزِ اَداسِی کھی، کھیں لُطْفِ نِزَالِ پِایَا



مُرتَبِ

مُحَبُّوْبِ عَلِی خَاں اَحْکَرِ قَادِرِی

جملہ حقوق اشاعت برحق برتب محفوظ

- نام کتاب : مجاورات صفی اورنگ آبادی
- مرتب : محبوب علی خاں اختر قادری
- صفحات : ۲۳۶
- تعداد اشاعت : (پانچ سو)
- سنہ اشاعت : ۱۹۹۸ء
- قیمت : ایک سو روپے / 100/- RS.
- کاتبیت : محمد عبدالرؤف / مسکن توشنویس
- سرورق : تحریر مسکن
- آرٹ ڈرک : ولی محمد صدیقی ؛ "ART SPAN" چھتہ بازار حیدرآباد
- طباعت : سٹڈیو پرنس، چھتہ بازار، حیدرآباد
- جلد بندی : حفیظہ بیگ بائٹنگ، چھتہ بازار، حیدرآباد
- زیر اہتمام : مختار احمد خاں / میر محمد اقبال علی
- ملنے کے پتے :
- حسامی بک ڈپو - مھلی کمان - حیدرآباد
- اسٹوڈنٹس بک ہاؤس - چار کمان - حیدرآباد
- مکتبہ شہادہ اب - ریڈ ہلز - حیدرآباد
- مکان مرتب : نصیب منشن ۲-۱۷ / ۲۶۲-۳-۱۹
- جہاں نما - حیدرآباد فون : 4570228
- فون : 522122
- فون : 4527596

● یہ کتاب اردو اکیڈمی آف انڈیا کی جُزوی مالی اعانت سے شائع ہوئی

فہرست

- ۱: صفی کے تین شعر ۴
- ۲: انتساب ۵
- ۳: صفی کے اساتذہ کا شجرہ ۶
- ۴: حضرت صفی کے بارے میں ؛ محبوب علی خاں انگر ۷
- ۵: انگر کے بارے میں ۸
- ۶: صفی کے اساتذہ کا تذکرہ
- ۷: شہزادہ ضیاء گورگانی ۹
- ۸: حکیم ظہور احمد ظہور دہلوی ۱۲
- ۹: محمد عبد الولی فروغ ۱۳
- ۱۰: سید رضی الدین حسن کیفی ۱۵
- ۱۱: روبرو ؛ محبوب علی خاں انگر ۱۷
- ۱۲: صفی، محسن اُردو ؛ ڈاکٹر زینت ساجدہ ۲۰
- ۱۳: محاورہ بندی ؛ پروفیسر یعقوب عمر ۲۱
- ۱۴: سخن مختصر ؛ خواجہ معین الدین عزیزی (امریکہ) ۳۴
- ۱۵: صفی کا ترتیب سخن ؛ محمد نور الدین خاں ۴۳
- ۱۶: محاوراتِ صفی . (اشعار)
- ۱۷: غزلیں ۴۷
- ۱۸: کتابیات ۱۹۳
- ۱۹: مرتب کی کتابیں پر شاہیر اُردو کے تاثرات ۱۹۷

شکر

اللہ کو پکارا اگر کوئی کام ہے
بندے ہزار نام کا یہ ایک نام ہے

شاید اَلَمْ بھی کوئی بڑی چیز ہے صفی
قرآن کی ابتدا ہے الف لام میم سے

یہاں کہوں مَنہ سے کہ قرآن کا مَنہ ہے ورنہ
حمد کا لفظ تو ہونا تھا محمدؐ کے لئے



مَحَبُوبُ عَلٰی خاں اَنگَر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انتساب

پروفیسر یعقوب عمر صاحب
اساتذہ فارسی نظر کام کالج

ناروق اشکیل صاحب
ایم۔ اے (عثمانیہ) جانشین حضرت عدلی

کے نام

جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں تعاون کیا

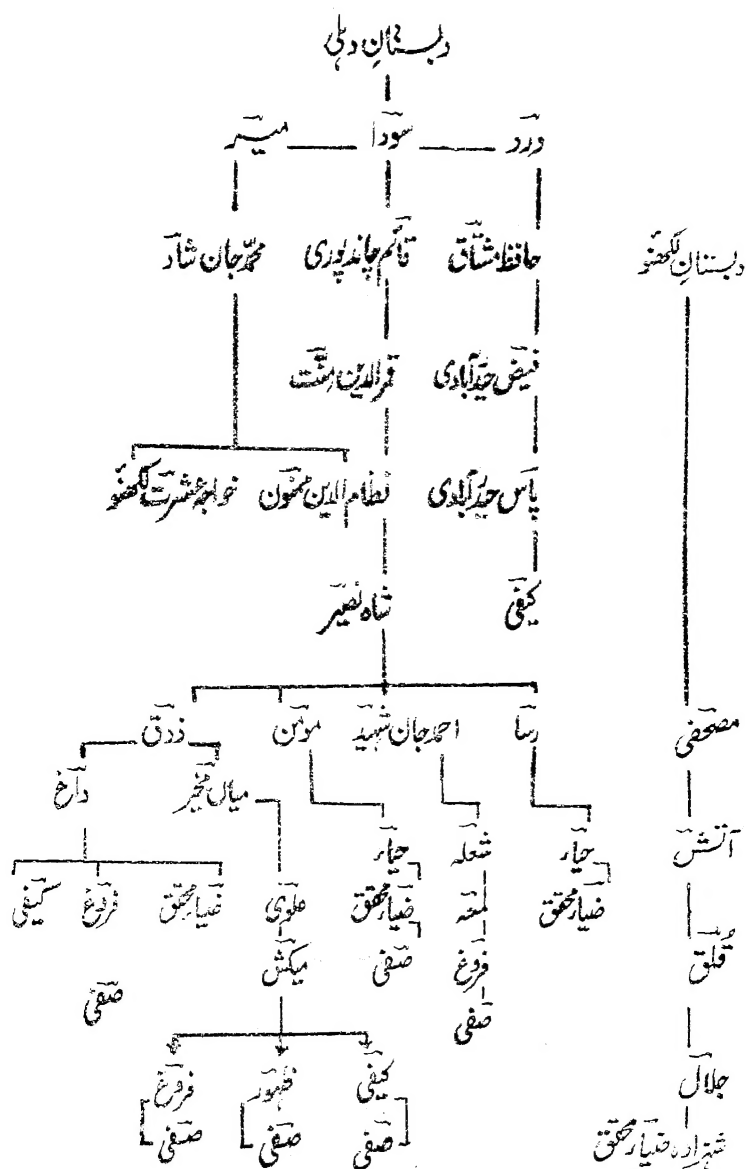
تحفہ

محمد جعفر علی خاں فہیم

کے لیے
جو میری شخصیت کا تسلسل ہیں

ان شاء

حضرت صفی اورنگ آبادی کے اساتذہ کا مشعرہ



صفی استاد کا اور باپ کا رتبہ برابر ہے
میرے کیا حضرت کفنی کہ سایہ اُنھ کیائے سے

حضرت صفتی کے بارے میں

نام : حکیم محمد بہاء الدین، بہبود مئی صدیقی
تخلص : صفتی اور نگ آبادی

عرف : میاں جانی

ولایت : حکیم محمد بنیر الدین صدیقی مرحوم

تاریخ پیدائش : ۲۵ رجب ۱۳۱۰ھ بمقام پیدائش، اورنگ آباد سکونت پلاورہ
استاذہ صفتی : شہزادہ ضیاء گورکانی، طہورہ ملوی، عبد الولی فروغ، رضی الدین حسن

تاریخ وفات : ۵ رجب ۱۳۵۳ھ ۲۱ مارچ ۱۹۵۴ء، مقام انتقال : داتا گمانیہ

تدفین : احاطہ درگاہ حضرت سردار بیگ آغا پورہ، حیدر آباد

صفتی سے تعلق تھا جس : - مرقع سخن، جلد اول ۱۹۳۵ء بہ زمانہ حضرت صفتی

۱. یادگار صفتی سب رس صفتی نمبر ۱۹۵۶ء مرتبہ : خواجہ حمید الدین شاہ

۲. انتخاب کلام صفتی مرتبہ : مبارز الدین رفت ۱۹۹۳ء

۳. پرانگندہ مجموعہ کلام ۱۹۶۵ء مرتبہ خواجہ شوق

۴. فردوس صفتی ۱۹۶۸ء مرتبہ ابو الخیسر سید غوث نقی (پاکستان) ۵ بکرا صفتی ۱۹۸۰ء مرتبہ رفیع خیم

۵. سوانح عمری صفتی اورنگ آبادی ۱۹۸۹ء مرتبہ محمد نور الدین خاں

۶. تلامذہ صفتی اورنگ آبادی ۱۹۹۱ء مرتبہ محبوب علی خاں اگھر ۸ اصلا صفتی اورنگ آبادی ۱۹۹۳ء مرتبہ محبوب علی خاں اگھر

۹. کلام صفتی غیر مطبوعہ ۱۹۹۲ء مرتبہ محمد نور الدین خاں ۱۰ خیرات صفتی اورنگ آبادی ۱۹۹۵ء مرتبہ محبوب علی خاں اگھر

۱۱. انشائے صفتی اورنگ آبادی ۱۹۹۶ء مرتبہ محبوب علی خاں اگھر

انگر کے بارے میں

نام : محبوب علی خاں اختر قادری
 ولایت : محمد بہادر خاں آغا ابوالعلائی
 تاریخ پیدائش : ۵ نومبر ۱۹۲۵ء
 مقام پیدائش : حیدرآباد، محلہ چلیہ پورہ، دیوڑھی قوٹ بدین خاں
 موجودہ سکونت : نصیب سیشن جہاں شاخیر آباد
 اولاد : محمد جعفر علی خاں، محمد فرزند، غوثیہ بانو دختر، دولت بانو دختر
 ملازمت : ڈپٹی تحصیلدار محکمات (سولٹ)
 اساتذہ اشخاص : حضرت شیخ الدین بہر حضرت میر محمد علی فقیر، حضرت غلام علی حاکمی، جانشین مفتی اوزنگ
 شعری مجموعہ : شعلہ سخن ۱۹۹۳ء

انگر کی تصنیفات :- (مرتب کردہ)

- ۱۔ تلامذہ سنی اور گنگ آبادی ۱۹۹۱ء، خیالات حاوی ز جوئے کا غلام علی حاکمی
 - ۳۔ اصلاحات مفتی اوزنگ آبادی ۹۳ء، ۴۔ خمریات مفتی اوزنگ آبادی ۱۹۹۵ء
 - ۵۔ انشائاتی اوزنگ آبادی ۹۶ء، ۶۔ کلام فردغ ۹۸ء، ۷۔ محاورات مفتی اوزنگ آبادی
- دیگر تصنیفات جو انگر کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی :-

- ۱۔ شمع نوراں عمر خالدی ۹۲ء، ۲۔ صد آجری عبدلکریم خاں ۹۳ء، ۳۔ تاریخ و ادب نواز الدین خاں ۹۲ء
- ۴۔ شمع سخن تسلیم عابدی ۹۳ء، ۵۔ خوش فزع نظیر علی مدنی ۹۳ء، ۶۔ مدق جانی نواز الدین خاں ۹۳ء
- ۷۔ انکشاف جامعہ غفار احمد عابدی ۹۳ء، ۸۔ نشاطِ دل محبتی خاں ۹۳ء، ۹۔ تب و تاب ڈاکٹر رازی ۹۳ء
- ۱۰۔ شعلہ سخن سرور آبادی ۹۳ء، ۱۱۔ کلام مفتی نواز الدین خاں ۹۳ء، ۱۲۔ نقد و نظر نواز الدین خاں ۹۶ء
- ۱۳۔ سفرِ انوکھا فاروق شکیل ۹۳ء، ۱۴۔ نشاطِ عالم رؤف تسلیم ۹۳ء، ۱۵۔ محبوب علی انگر ایک مخلص
- ۱۶۔ مطالعے ورجانست، ۱۷۔ تسلیم ۹۸ء، ۱۸۔ اس کے علاوہ ۱۹۔ نظریاتِ مرنہ نظام اردو و سرت
- مذکورہ ماہ و سال : مرتب نامک دارم و ن کا عہدہ سانی، عمر خالدی، معین الدین عقیل اور ڈاکٹر
- محمد شمس : ایک مطالعہ : مرتبہ کتابوں کے درجنوں کے دیتے گئے ہیں

حضرت صفی اودنگ آبادی کے پہلے استاد

شہزادہ حاتم محمد نیر الدین ضیاء گورانی دہلی،

حافظ مرزا محمد نیر الدین نام ہے۔ آپ شاہزادگان دہلی سے ہیں۔ محمد اودنگ زیب شہنشاہ عالمگیر سے آپ تک ساتویں پشت ہے۔ آپ شاہزادہ مرزا محمد کام بخش کی اولاد سے ہیں۔ ۵ رذی الحجہ ۱۲۶۶ھ کو آپ تولد ہوئے۔ آپ کا مولدِ خاص دہلی شہر ہے آپ کے والد بزرگوار صاحب عالم شہزادہ حافظ مرزا رحیم الدین (بہ عہدِ نواب ناصر الدولہ بہاؤ) بطریق سیاحت دہلی سے بیجاپور تک تشریف لائے تھے۔ مگر آپ نے تو واردِ حیدر آباد ہو کر یہاں دفتر صدر محاسبی سرکار عالی میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ آپ کو شاعری میں اپنے والد بزرگوار حضرت نیا دہلوی سے شرفِ تلمذ ہے اور باقی دیگر علومِ شاعری کے متعلق آپ نے جناب جلال لکھنوی سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ فارسی تحصیل ہے عربی میں صرف و نحو سے واقف تھے۔ شاعری میں بدیع، بیان، عروض، رمل، حساب، طب، تفسیر اور فقہ میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ فنونِ سپہ گری، پھینک، ملی مد میں یدِ طولی رکھتے تھے، اعلیٰ درجہ کے تیراک تھے اور طرہ امتیاز یہ کہ حافظ قرآن حکیم بھی تھے۔ متصل کاروانِ ساہوان کا مکان تھا۔ کتاب ”تحقیقاتِ ضیاء“ گراں قدر تصنیف ہے۔ کلامِ ندرتِ اظہار اور فصیح و بلیغ ہے۔ سلسلہ تلمذ اس طرح ہے:

مشاد تفسیر؛ حیاتِ جلال؛ و آخِ دہلوی؛ ضیاء گورانی

سلسلہ نسب

شہزادہ مرزا محمد کام بخش

شاہزادہ حاتم محمد نیر الدین

شاہزادہ مرزا محمد فروغ اقبال شاہزادہ مرزا محمد دین پور شاہزادہ مرزا محمد رحیم الدین شاہزادہ عالم مرزا محمد رحیم الدین

نمونہ کلام

اب کسی کے کام آنا رہ گیا ہے نام کا
 کیوں فیا کو ہاتھ سے کھوٹے ہو پھٹاؤ گے پھر
 کوڑے قتل کس کس کو بڑا کہہ کر یہ دنیا ہے
 جو دل نہ مانگے، نہیں معشوق کی شبیہ
 اچھی دُعا کا ہے نہ بُری کا ظہور کچھ
 ظالم خدا کے آگے ہے ایسا بنا ہوا
 درد و فرقت میں نہ کیوں ہمد لہے
 کہتے ہیں بیدل کو غم سے واسطہ
 قتل ہونے کو بہت اُجاسیں گے
 ہم رہے جب تک رہی سو آفتیں
 اس زمانے میں نہیں کوئی کسی کے کام کا
 وہ بُرا ہے یا بھلا ہے، آدمی ہے کام کا
 بھلے بھی اس میں رہتے ہیں بُرے بھی اچھے
 منہ سے نہ بول اُٹھے وہ تصویر ہی نہیں
 اللہ کیا زبانی میں تاثیر ہی نہیں
 جیسے کچھ اس غریب کی تقصیر ہی نہیں
 دوست ہو ہے جو شریکِ غم رہے
 دل ہو سینے میں تو دل میں ختم رہے
 خنجرِ سفاک تیرا دم رہے
 دم رہا جب تک ہزاروں غم رہے

وہ نہیں آتے خوشی اُن کی، نہ آئیں

اب خوشامد کرنے سے تو ہم لہے

مشتاق اُن کی بات کا شوقِ سخن میں ہے
 اور اُن کی بات ہے کہ دہن ہی دہن میں ہے
 بندشِ درست لطفِ زبان، شوخیِ بیان
 جو بات چاہیے وہ فیما کے سخن میں ہے

پر دیس میں گزرتی ہے آرام سے ضیا
 نرس کا وطن کہاں کا وطن کیا وطن میں ہے

(محاوراتِ ترکیبِ محبت)

نہیں ہوتے راجو کشمکش میں غم کی بھنتیں ہیں
 کہاں کی زلست کسی زلست مرنے کو ترستے ہیں

غزل

میں نے یہ مانا کہ اُلفت میں مرا سر جائے گا
 اُن کا خنجر بھی مگر مڑ جائے گا گر جائے گا
 ہو رہا ہے کس قدر غرقِ بیان، ہومے
 آج پانی آبرو پر شیخ کی پھر جائے گا
 ہم نہ کہتے تھے نہ جاے دل کسی کوچے میں تو
 خوب اُس نے گنت بنائی، کیوں وہاں پھر جائے گا
 رند سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے نصیحت شیخ جی !
 بکتے بکتے آپ کا سر بھی اگر پھر جائے گا
 لعلِ دل میرا، مرے سینے میں رہنے دیجئے
 آپ کھو ڈالیں گے رستے میں کہیں گر جائے گا
 چھوڑ دوں گا عشق، جاں اپنی بچانی فرض ہے
 کیا کرے گا جب مصیبت میں کوئی گھر جائے گا
 جان دے کو نام ہوگا، آبرو ہوگی نصیب
 آشنائے بحرِ اُلفت ڈوب کر تر جائے گا
 بحر میں آنکھوں کے چشمے گر ٹوٹی پھرتے ہے
 جس قدر خونِ پانی ہو کے سب جھر جائے گا
 ہم خوشی سے اُن کو دے ڈالیں تو اچھی بات ہے
 دل یہ اوّل جائے گا سینے سے آخر جائے گا
 عقل کہتی ہے کہ دل اُس کو کسی صورت نہ دو
 عشق کہتا ہے کہ یار آزرده خاطر جائے گا
 رہرو ملکِ عدم ہیں اہل دُنیا اسے خدیا
 کوئی اوّل جا چکا ہے، کوئی آخر جائے گا

حضرت صفی اورنگ آبادی کے دوسرے اُستاد

حضرت حکیم ظہور احمد ظہور دہلویؒ

باوجود تلاشِ بسیار کے افسوس ہے کہ
ان کی حیات، کارنامے یا کلام وغیرہ کے بارے میں کہیں سے کوئی
مواد فراہم نہیں ہو سکا۔

بوریا بستر کوئی کیا باندھتا ہے اس طرح
نام باقی رہ گیا وہ بھی نہ جانے کس طرح
دارِ فانی میں سکونت کا ہے انگڑیہ طسرت
اک ظہور بے نوا، بے نقش و پا کا جس طرح
خگر

ظہور دہلوی کے ذکر سے قابلِ حصول تذکرے خالی ہیں۔ ان کے حالاتِ زندگی
اور کلام بھی زمانے کی ناقدری کی تندرہو گیا۔ کیا حکیم ظہور احمد دہلوی، اُنہی میں سے ایک تو نہیں
استنا جیسے کہ جاننے والے گزر گئے
پُر سال رہا نہ کوئی تو چُپ چاپ مر گئے (اکبر الہ آبادی)
زمانے کی ستم ظریفی نے کسی کو نہیں بخشا۔

جناب صفی اورنگ آبادی کے تیسرا سنا

محمد عبدالولی فاروقی فروغ حیدر آبادی

محمد عبدالولی فاروقی (دلی میاں) المخلص فروغ حیدر آبادی اُس وقت تولد ہوئے جبکہ حیدر آباد میں منف شہزادہ کرام ہی کروفر کی زندگی گزار سکتے تھے اور اس زندگی کے پس منظر میں حیدر آباد کے نوسادوں میں کی ایک زرین تاریخ ہے۔ فروغ صاحب، محمد عباس علی فاروقی وکیل مجرم کے اکوڑے صاحبزادے تھے گھریلو زندگی پر سکون اور خوشحال ہو تو زندگی سے کشاکش جیسی توانائی ختم ہو جاتی ہے اور فنون لطیفہ کا مال ساز گد ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب کسی دربار سے وابستگی ہو جائے تو بس اللہ سے اور بڑے والا مصداق ہو جاتا ہے۔ فروغ صاحب شاعری ہی کرتے رہے۔ ۱۸۷۸ء میں غالباً پیدا ہوئے تھے، تاریخ وفات ۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء معتبر ہے۔ جوان ہوئے تو کہاں کہاں ملازمت اختیار کی، صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا البتہ نچتر عمر میں مہاراجہ کشن پرشاد کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور دار فانی چھوڑنے تک مدیاد آں سے وابستہ رہے، یہ بات مجھے فروغ صاحب کے واحد فرزند مولوی عبدالعزیز فاروقی نے بتائی جو میرے دوست سلام خوشنویس کے سمدھی ہوتے ہیں اور لگ بھگ ۸۵ سال سے زندہ ہیں۔ پیدائش کے وقت بھی وضو نہ تھے اور اشاعتِ شتاب بھی وضو لاری سے اپنی سانس پوری کر رہے ہیں۔ عزیز بھائی اپنے والد ماجد کے قصبے سناتے تھے تعلیم سے آشنا گھر تھا اور اُس زمانے کے گھر نے عربی، فارسی اور اردو کی اس قدر تعلیم تو رکھتے تھے جن کے بل بوتے پر فنون لطیفہ کے میدان میں شمولی کر سکیں۔ خود عزیز بھائی نظام کلج کے پرانے گریجویٹ ہیں۔ فروغ صاحب کا زمانہ تو اور بھی بارونق تھا۔ عزیز بھائی ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے فروغ صاحب کا سایہ اٹھ گیا، سایہ کیا اٹھ گیا کہ یہ بھی بھول کے سائے کو ترستے رہ گئے۔ ایسے حالات میں باپ کی جائیداد ہو کہ ترکہ، کارنامے ہوں کہ ورثہ، کیسے ہوش رہتا ہے کہ کیا قیمتی ہے۔ کوئی ۲۰/۲۵ غزلیں وہ بھی عزیز بھائی کی لڑکیوں کی وجہ سے محفوظ رہ گئیں اور ایک اگلے وقتوں کی تصویر یا ہم عصر شعراء میں میر محبوب علی خاں آصف، مہاراجہ کشن پرشاد، نواب مشرف جنگ فیض آباد، عزیز یا جنگ عزیز، سید رضی الدین حسن کفئی، جلیل مانگ پوری، اختر بیانی، عبداللہ خاں ضیغم شہزادہ حافظ مرزا نیر الدین ضیاء گورکھانی، شفیقہ کنٹوری، محلّی حیدر آبادی، علی شاہ ترکی، میر خیرات علی خاں سخی

سید احمد حسین امجد حید آبادی، سیل پر شاذ و ندرت، حکیم طور احمد ظہور دہلوی، ہر مزحیہ آبادی وغیرہم اور تلامذہ میں، بدیع الدین بیان، ہاشم علی حقو، نظام الدین عارف، عبد الحمید خاں خیالی، حافظ ابو نعیم عیش، ابو الخلیل سید غوث یقین اور بہبود علی صفتی اورنگ آبادی۔ تلامذہ فروغ حید آبادی میں ہمارے عزیز بھائی، حضرت صفتی اورنگ آبادی کے ہمارے میں نہایت گرجوشتی سے کہتے ہیں، صفتی صاحب نے، اپنی موجودگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فروغ صاحب کھڑے ہوں اور یہ بیٹھے رہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اُس وقت وہ کوئی ۱۲ سال کے ہوں گے، صفتی صاحب جس انداز سے اپنے استاد کو چاہتے تھے، انہوں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ چنانچہ صفتی صاحب نے خود اس کا ہر بلا اظہار بھی کیا ہے صفتی استاد بنا ہو تو استادانِ عالم کی! اٹھاؤ جوتیاں تازہ کر دھتے، بھروسہ چلیں نمونہ کلام حضرت فروغ حیدر آبادی

زندگی اُس کی نصیب اُس کے ہیں راتیں اُس کی
تیری رفتار نے نشان دیا!
دورِ دل کے حُسن پر نہ کرو ناز اس قدر
اے سرورِ آفتاب ہے گویا
کشک دشمن ہی سے بھڑکی آتش عشق حبیب
جاؤ اپنی راہ لو، قاتل یونہی ہوتے ہیں کیا
مُنہ سے تو کہہ رہے ہو کہ آئیں گے ہم ضرور
تصدق کیوں نہ ہوں سو جان سے جہنم تصور کے
عجب انداز سے طے ہو رہی ہے مسندِ جاناں
محبتِ عشق، دل آئیے سب کہنے کی باتیں ہیں
الہی آسماں ٹوٹے کبھی شبِ ہائے فرقت پر
دل نہیں ملنے کا پھر میرا ستم گر ٹوٹ کر
جیس سانی سے میری مٹ گیا اقتدیر کا لکھا
جس کو ہوجملوہ دیدارِ مسیت تیرا
نام سُنتے تھے ہم قیامت کا
رخص کی ہوا رہی جو تمہاری ہوا ہے
ایک اک داغ کے گھرانے کا
پھول کی وقعت بڑھاتا ہے کھلنا خار کا
آج تک تم کو نہ آیا باندھنا تلوار کا
تیور بہتار ہے ہیں کہ آیا نہ جائے گا
کھنچا رہتا ہے نقشہ سانسے روئے منور کا
نہ مجھ کو پاؤں کی دُھن ہے نہ مجھ کو دھیان سر کا
یہ دُنیا ہے کوئی دم کی، تماشا ہے گھڑی بھر کا
پڑے ہیں جان کے لالے مصیبتِ مصیبت پر
چیز یہ ایسی نہیں چڑھ جائے گی جو پھوٹ کر
مقدّر گھس گیا آخر کو سنگِ آسماں ہو کہ
غرضیکہ اگلے قوتوں کے ہر میدان کے اساتذہ و تلامذہ اب چراغِ رُخِ زیبائے کر دھونڈنے سے بھی
نہیں ملتے۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی اب تقریباً مسخ ہو گیا ہے۔ انحر

حضرت صفی اورنگ آبادی کے چوتھے استاد

حضرت سید رضی الدین حسن کیفی مرحوم

ابوالرضا سید رضی الدین حسن کیفی ۱۲ شعبان ۱۲۹۷ھ بروز جمعہ محلہ مغل پورہ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ابوالبرکات سید شاہ غازی نظام الدین احمد رضوی مشائخ حیدرآباد سے تھے، حضرت کیفی ان کے اکلوتے فرزند تھے۔ حضرت کیفی کے اجداد کا تعلق جعفر شریف [قریب پور] سے تھا جہاں ان کے بزرگوں کی درگاہوں کے سالانہ عود و گیل کے سلسلے میں جاگیری معاش تھی۔ ان کی دادی حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی پوتی ہوتی تھیں۔ حضرت کیفی نے ابتدائاً اپنے گھر میں والد اور مولوی عبد الجلیل نعمانی سے تعلیم پائی پھر میں دارالعلوم ہائی اسکول میں شریک ہوئے اور یہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت کیفی نے بہت کم عمری میں شعر کہنا شروع کیا تھا۔ شاعری ان کی فطرت میں ودیعت کر گئی تھی۔ انھوں نے حضرت فیضؒ کے شاگرد رشید مولوی حفیظ الدین پاس سے اپنے کلام پر اصلاح لی بعد ازاں شمس الحق صوفی سجاد علی میکش کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ حضرت میکش کے فیض تلمذ نے یہ اثر دکھایا کہ ایک نشست میں دو سو شعر کہنا ان کے لیے بار نہ تھا۔ اس مشق سخن کی وجہ سترہ سال کی عمر میں رتبہ استادی حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت میکشؒ نے ایک سند بھی تحریر فرمادی تھی اور اپنی زندگی ہی میں جملہ شاگردوں کو نصیحت کر دی تھی کہ وہ اپنا کلام حضرت کیفیؒ کو دکھایا کریں۔ آخر میں حضرت میکشؒ نے بھی خود اپنا دیوان انھیں دیا اور کہا کہ ”کیفی ذرا تم اس کو دیکھ لو، اب ہم ضعیف ہو گئے معلوم نہیں کیا کیا باک دیا ہے“ حضرت کیفی اپنی وفات سے تین سال قبل دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں مہر کی خدمت پر مامور ہوئے۔ حضرت اجیریؒ سے خاص عقیدت تھی، زیارت کرنے گئے تو ۵ رجب ۱۳۳۸ھ کو اچانک انتقال کر گئے۔ تارہ گڑھ کے راستہ پر ایک قہستان ۱۲۰۱ھ کا آرام گاہ ہے۔ حضرت کفر، کووند، شمس، الدین، علو کے

نمونہ کلام

محبت میں کیا کیا نہ کچھ جو رہا
ایسے آنے سے تو نہ آنا تھا
ہم نے ان آنکھوں سے کیا کیا نہ تماشہ دیکھے
غیر دل سے ہمیشہ ملنے والے
وہی کیفی، وہی رستہ ہے، آندھی ہو کہ بارش ہو
دل لینے کے انداز بھی کچھ سیکھ گیا ہوں
آدمی میں کوئی کمال تو ہو
اب تو میخانے میں کیفی ایک ستارہ سا ہے
دوا بازار میں کم تھی، نہ کچھ گھر میں غذا کم تھی
یہی جھگڑا رہا زمانے میں
بات کیجئے ذرا سنبھل کے حضور
عجب حال ہے سیکڑہ کا بھی کیفی
ٹھیکے اور سجیلے اور نرالے اور عجب نکالے
تھے اے مری جان اللہ رکھے
ابھی عاشقوں کا ہجوم اور ہو گا
بھاری یہ بانی بھی اللہ نہ بنا ہے
مجھے دیکھ کے ہنس کے فرمائے ہیں وہ
کیفی جناب مسٹر کامرہ ہے حسبِ حال
وہ خفا ہے سبب نہ ہو جائے
گا ہے گا ہے بھی تم پسینہ کرو
خفا ہونا، بگڑنا، روٹھنا، انجان ہو جانا
ترکی ان ٹیڑھی باتوں کو بھی ہم نے بانجھن جانا

ابھی کیا ہوا ہے ابھی اور ہو گا
اتے ہی تذکرہ ہے جانے کا
جب سمجھ آئی تو اپنے کو تماشہ سمجھا
ہم سے بھی کبھی کبھی ملا کر
چلے گئے ہیں حضرت سیکڑے سیکڑے ہی گئے
محبت میں حسینوں کی بہت دوزخ ہوں
نہ ہو یوسف نہ ہو بلال تو ہو
وہ جھیلے سیکڑوں کے اودھ کھینچ گئی
مگر بیار غم کی، آہ! عمر بے وقار کم تھی
تیری رونی ہے اور دال مری
ایسے کیوں آئے ہیں تل تل کے
صدا کی چلی، پیالیاں چلتے چلتے
لو کہیں میں ستم تھے وہ جوانی میں غضب نکالے
ہے اللہ کی شان اللہ رکھے
یہ ڈیوڑھی، یہ دربان اللہ رکھے
حسینوں میں بھی آن اللہ رکھے
ہیں ایسے بھی انسان اللہ رکھے
”اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی
کہیں ایسا غضب نہ ہو جائے
رفتہ رفتہ طلب نہ ہو جائے
خفا ہونا، بگڑنا، روٹھنا، انجان ہو جانا
ترکی ان ٹیڑھی باتوں کو بھی ہم نے بانجھن جانا



پروفیسر یعقوب عکرم

سیّد رضی الدین حسن کفّی



ڈاکٹر زینب ساجد



خواجہ معین الدین عزمی

محمد نور الدین خاٹ

محبوب علی خاں اختر

روزِ مرے

محاوراتِ صفی پر یہ تالیف آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ دکن کے اس نامور اور ہر دل عزیز شاعر کا کلام جب بھی پڑھا جاتا ہے ایک نیا لطف دیتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ نصف صدی گزر جانے کے باوجود آج کے بدلے ہوئے حالات و واقعات پر بھی اکثر اشعار ایسی چستی سے منطبق ہوتے ہیں کہ لوگ انگشت بندناں رہ جائیں۔ اس میں روزِ مرے اور محاورے نے وہ نصاحت و بلاغت پیدا کر دی ہے کہ عوام الناس دم بخود رہ جائیں، مولانا حالی رقم طراز ہیں۔

اہل زبان عموماً اس شعر کو زیادہ پسند کرتے ہیں جس میں روزِ مرے کا لحاظ کیا گیا ہو اور اگر روزِ مرے کے ساتھ محاورے کی چاشنی بھی ہو تو وہ ان کو اور بھی زیادہ مزا دیتی ہے مگر عوام اور خواص کی پسند میں بہت بڑا فرق ہے عوام محاورے یا روزِ مرے کے ہر شعر کو سن کر سر دھننے لگتے ہیں۔ چاہے شعر کا سمھون کیسا ہی متبذل یا رکیم اور سبک ہو اور محاورہ بھی کیسا ہی بے سلیقگی سے باندھا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن اسلوبوں میں وہ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں جب انہیں اسلوبوں میں وزن کی کھچھاوٹ (وزن کا آہنگ) اور قافیوں کا تناسب دیکھتے ہیں، اور معمولی بات چیت کو شعر کے سانچے میں ڈھلا ہوا پاتے ہیں تو ان کو ایک نوع کا تعجب اور تعجب کے ساتھ خوشی پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔۔ پس جب کوئی شعر باوجود

میں صفی کا ایک نائنہ انتخاب بھی اُردو کتابوں کی دوکانوں پر دستیاب نہیں۔ یہ صورتحال بدلتی چاہیے۔ بہر حال محاوراتِ صفی حاضر ہے۔ میں مسرور ہوں کہ دکن کے بلند پایہ شاعر، مسلم الثبوت استاد سخن و انشا پرداز حضرت صفی اور نگ آبادی کے شری و ادبی کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کا مجھے شرف ملا اور مشتاق ہوں کہ میں نے اس عظیم شاعر کی تمام شری و ادبی صفات کو دستاویزی شکل دے دی ہے۔ ”محاوراتِ صفی“ حضرت صفی پر میری پانچویں کتاب ہے۔ اس کتاب کی اہمیت و افادیت اس لیے بھی ہے کہ حضرت صفی کو دکنی محاورات کا شہنشاہ کہا جاتا ہے۔ وہ محاورات کو اشعار میں برتنے پر قدرت رکھتے تھے اور اس قدر سادہ و دل نشین انداز میں استعمال کرتے تھے کہ اشعار عوام کے دلوں کی دھڑکن بن جاتے تھے۔ جس زمانے میں حضرت صفی بقید حیات تھے اور ان کا طوطی بولتا تھا ہر شخص کی زبان پر حضرت کے اشعار ہوتے تھے اور محفلوں میں جب گلوکاران کے کلام کو دل نشین دھنوں میں ساڑ پر گاتے تھے تو سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس کتاب میں حضرت صفی کے وہ تمام مشہور زمانہ اشعار موجود ہیں جس میں دکنی محاورات کا برجستہ استعمال، نادر تشبیہات، خوبصورت استعارے، کہاوت، ضرب الامثال اور روزمرہ کا شائستہ استعمال ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نہ صرف اہل نظر اس کی بھرپور پذیرائی کریں گے بلکہ نئی نسل بھی پڑھے گی تو غم نہ کہنے لوٹ آئے گا اور ایک بار پھر حضرت صفی کے اشعار مقبولِ عام ہو جائیں گے۔

آخر میں ان تمام کرم فرماؤں کا تہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں میرے ساتھ مکمل تعاون کیا، جن کے اسمائے گرامی ہیں:

ڈاکٹر زینت ساجدہ، پروفیسر یعقوب عمر صاحب، خواجہ معین الدین عزمی صاحب امریکہ، محمد نور الدین خاں صاحب، محمد شتاق احمد صاحب، رؤف رحیم صاحب، سلام خوشنویس صاحب، محمد عبدالرؤف صاحب خوشنویس، ولی محمد صاحب آرٹسٹ، عبدالرؤف صاحب، پروپرائٹر دائرہ پریس، افضل صاحب حفیظیہ بک بائڈنگ ورکس اور آخر میں پھر ایک مرتبہ ڈاکٹر زینت ساجدہ کا ممنون ہوں، جنہوں نے مجھے ”محاوراتِ صفی“ کی اشاعت کے لیے مجھے اُکسایا۔

ۛ اَلْزَیْنَتِ سَاجِدَہ

صفی — محسنِ اردو

خیال بغیر الفاظ کے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ الفاظ یا بیان کی قدرت بغیر زبان کی نراکت کو جانے حاصل ہونا مشکل ہے۔ اچھے ادب کے لیے زبان کی سلاست و فصاحت، لفظوں کی کاریگری و صناعت، آرائش و زیبائش کو سمجھنا اور مشق و ندادلت ضروری ہے اس کے لیے اساتذہ کا ظام پڑھنا لازمی ہو جاتا ہے۔ داغ کا اردو زبان پر یہ بڑا احسان ہے کہ اُنھوں نے اپنے دور کے بہت سے محاورات و الفاظ کو اپنے اشعار میں محفوظ کر دیا۔ محاوراتِ داغ پر کام بھی ہو چکا ہے۔ اسی طرح دکن کے ایک ماہر زبان شاعر صفی اورنگ آبادی بھی ہیں جنھوں نے بطور خاص متداول روزمرہ اور محاورات کو داخل شعر کیا ہے اس موضوع پر کام کرنے کے لیے ایسے شخص کی ضرورت تھی جو صفی کے کلام کا دلدادہ ہو اور اس کے لیے جانکاہی سے کام کرنے کے لیے آمادہ بھی ہو۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ محبوب علی خاں اخترگر اس کام سے بخوبی عہدہ برا ہوئے ہیں بہادی نئی نسل کے شاعروں اور نثر نگاروں کے لیے ان کا یہ کام بڑی افادیت رکھتا ہے کیوں کہ زبان کی مہارت بنونے پر اکثر عجز بیانی کا شکار ہو جاتے ہیں یہ کتاب صفی پران کی پانچویں تالیف ہے اور خدمتِ زبان کے سرایے میں ایسے ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

کوہسار ۲۲/۵۶۳-۶۰۳
ایرم منزل کالونی

۳ اکتوبر

۱۹۹۷ء

پرو خیر یعقوب عسر
شعبہ فادری نظام کالج

محاوراتِ صنفی

روزمرے اور محاورے سے زبان و بیان میں بلا کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے مگر کبھی کبھی بے اعتدالی سے شاعری کا معیار بھی گریا جاتا ہے۔ اردو زبان کئی نشیب و فراز سے گزری ہے اور اب سیاسی و سماجی سرپرستی کے فقدان سے اُس کی آب و تاب میں بہت فرق آ گیا ہے۔ ایک زندہ زبان میں محاورے بنتے بھی ہیں اور متروک بھی ہوتے رہتے ہیں مگر اس پُر آشوب دور میں روزمرے اور محاورے دونوں میں انحطاط نظر آ رہا ہے۔ مکتبِ داغ کے مشہور شاعر و ادیب مولانا حفیظ الرحمن و اصف دہلوی لکھتے ہیں۔

”دلی والے خود اپنی زبان بھول گئے۔ ان کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ رہا۔۔۔“

مولانا کو شکایت ہے کہ ”مکئی“ کی جگہ ”مکھا“ اور چل سیکگی“ کی جگہ چل پائے گی“ اور اسی قسم کے بہت سے غلط الفاظ، صحیح روزمرے کی جگہ بولے جانے لگے ہیں اور یہ الفاظ اردو داں لوگ استعمال کر رہے ہیں اگر دور دراز کے لوگ اس قسم کی غلطی کریں تو مولانا کا بیان ہے کہ ”ہم اس بے تعرض نہیں کریں گے لیکن اگر دہلی کا باشندہ اس طرح بولے گا تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس کو ٹوکیں اور صحیح و فصیح تلفظ بتائیں۔۔۔“

مولانا جدت برائے جدت کے قائل نہیں لکھتے ہیں۔

”اگر ہر قسم کی تبدیلی یا اختراع و جدت کا نام ارتقاء ہے زبان ہے تو بے شمار گھناؤں الفاظ اور مکررہ محاورے بزمِ فصاحت کے مندرجین ہو جائیں گے اور ذوقِ سلیم کی گونش میں بیٹھ کر آنسو بہاتا رہے گا۔۔۔“ (ادبی بھول بھلیاں)

داغ مرحوم اور ان کے تلامذہ دورِ حاضر کی عالمگیر اور صالح زبانِ اردو کے معمار ہیں، صنفی اور رنگ آمیزی جی کی شاء کی کا سلسلہ نسب داغ سے ملتا ہے خدا آباد کن

ہیں اسی روایت کے امین رہے اور کبھی بھی ضرورتِ شعری کی بناء پر لطفِ زبان ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مگر آج کل شاعر بہت تیزی سے بن رہے ہیں اور شعروں میں عجیب و غریب محاورات استعمال کر رہے ہیں؛ کوئی نادان صفا فرماتے ہیں کہ ”ضرورتِ شعری کی وجہ سے زبان و لغت کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ لفظ از روئے قواعد غلط، فصاحت سے گرا ہوا اور محاورے کے خلاف نہ ہو ورنہ شعر کہنے کی کیا ضرورت ہے؟“ (لغائی تحقیق، کتاب نمائش ۶۸۳)

محاورہ کیا ہے | محاورہ عربی لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی ’گفتگو کرنا اور جواب دینا ہیں اور اس کا مادہ ’حور‘ ہے (مصباح اللغات) فارسی میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں متعمل ہے۔ علاقائی بولی کے لیے ایرانی ’محاورہ ای‘ استعمال کرتے ہیں۔

صاحبِ فرہنگِ آصفیہ (جلد چہارم ص ۳۰۳) لکھتے ہیں۔

محاورات (ع) اسم مؤنث (محاورہ کی جمع)
محاورۃ (ع) اسم مذکر (۱)۔ ہکلامی۔ یا سہی گفتگو۔ بول چال۔ بات چیت
سوال جواب۔ (۲)۔ اصطلاح عام۔ روزمرہ۔ وہ کلمہ یا ظام جسے چند ثقات نے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص معنی کے واسطے مختص کر لیا ہو۔ جیسے حیوان سے کُل جاندار مقصود ہیں مگر محاورے میں غیر ذوی العقول پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ذوی العقول انسان کو کہتے ہیں

(۳)۔ عادت۔ لپکا۔ ہمارت۔ مشق۔ ربط۔ ابھیاس

جیسے مجھے اب اس بات کا محاورہ نہیں رہا۔

معلوم ہوا کہ اردو میں لفظ ’محاورہ‘ نے ایک اصطلاحی مفہوم بھی پیدا کر لیا جو عربی فارسی میں ناپید ہے۔ اسے انگریزی میں DIOM کہتے ہیں چنانچہ مولوی عبدالحق نے اپنی ڈکشنری میں DIOM اور DIOMATIC کا مفہوم بالترتیب ’محاورہ‘ اور ’با محاورہ‘ لکھا ہے۔ فارسی میں اسے ’زبانزد‘ اصطلاح اور اصطلاحی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں۔

”ہماری زبان میں لفظوں کا مجازی معنوں میں استعمال بہت عام ہے مثلاً وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ یہ خبر سن کر ہاتھوں کے ٹوٹے اڑ گئے۔ زبرد پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ایسے ہی بے شمار جملے ہیں جو ہماری زبان کی قوت اور بیان کی زینت ہیں۔ اگر کوئی شخص ان جملوں کے لغوی معنی مراد لے تو اس کو یہ جملے حقیقت کے خلاف اور قیاس سے دور معلوم ہوں گے۔ (ہماری شاعری)

نولانا حالی نے مقدمہ شعرِ شاعری میں۔ محاورہ اور محاورہ بندی کے مخصوص اردو مفہوم کو تفصیل سے بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

”محاورہ لغت میں مطلقاً بات چیت کرنے کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ بات چیت اہل زبان کے روزمرہ یا نوافق ہو خواہ مخالف۔ لیکن اصطلاح میں خامی اہل زبان کے روزمرہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام ”محاورہ“ ہے پس ضرور ہے کہ محاورہ تصریحاً ہمیشہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ میں یا یا جملے کیوں کہ مفرد الفاظ کو روزمرہ بول چال یا اسلوب بیان نہیں کہا جاتا۔

کبھی محاورہ کا اطلاق خاص کر ان افعال پر کیا جاتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ مل کر اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے ”اتارنا“ اس کے حقیقی معنی کسی جسم کو اوپر سے نیچے لانے کے ہیں مثلاً گھوڑے سے سوار کو اتارنا کھوٹی سے کپڑا اتارنا۔ کوٹھے پر سے ہلنگ اتارنا۔ ان میں سے کسی پر محاورے کے یہ دوسرے معنی صادق نہیں آتے کیونکہ ان سب مثالوں میں ”اتارنا“ اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ ہاں۔ نقشہ اتارنا۔ نقل اتارنا۔ دل سے اتارنا۔ دل میں اتارنا یہ سب محاورے کہلاؤں میں گئے کیوں کہ ان سب مثالوں میں ”اتارنا“ کا اطلاق مجازی معنوں پر کیا گیا ہے۔

روٹی کھانا۔ دو کھانا۔ افیم کھانا وغیرہ کو کسی دوسرے معنی کے لحاظ سے محاورہ نہیں کہا جائے گا کیوں کہ ان سب مثالوں میں ”کھانا“ اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ ہاں غم کھانا۔ قسم کھانا۔ دھوکا کھانا پچھاڑیں کھانا بھڑک کر کھانا۔ یہ سب محاورے

روزمرہ اور محاورہ کا فرق | روزمرہ۔ بول چال اور گفتگو کا خاص انداز ہے جس کی پابندی کثرت سے کی جائے اور عوام

و خواص دونوں اس کی پیروی کرتے ہوں لیکن محاورہ کا اطلاق صرف اسی پر ہوگا جو اپنے حقیقی معنوں کے برخلاف مجازی معنوں میں بڑھا گیا ہو۔ حالی لکھتے ہیں کہ

”روٹی کھانا، میوہ کھانا یا پانچ سات یا دس یا رہ (جیسے الفاظ) نہ صرف پہلے معنوں کے لحاظ سے محاورہ قرار پا سکتے ہیں، نہ دوسرے معنوں کے لحاظ سے، کیوں کہ یہ تمام ترکیبیں اہل زبان کی بول چال کے موافق تو ضرور ہیں مگر ان میں کوئی لفظ مجازی معنوں میں متعمل نہیں ہوا۔

روزمرے اور محاورے میں من حیث الاستعمال ایک اور بھی فرق ہے۔ روزمرے کی پابندی جہاں تک ممکن ہو تقریر و تحریر اور نظم و نثر میں ضروری سمجھی گئی ہے یہاں تک کہ کلام میں جس قدر روزمرے کی پابندی کم ہوگی اسی قدر وہ فصاحت کے درجے سے ساقط سمجھا جائے گا۔

مثلاً۔ کلکتے سے پشاور تک سات آٹھ کوس پر ایک پنچتہ سرائے اور ایک کوس پر مینار بنا ہوا تھا۔ یہ جملہ روزمرہ کے موافق نہیں ہے۔ بلکہ اس کی جگہ یوں ہونا چاہیے۔

”کلکتہ سے پشاور تک سات سات آٹھ آٹھ کوس پر ایک ایک پنچتہ سرائے اور کوس کوس پر ایک ایک مینار بنا ہوا تھا“

مثلاً۔ آج تک اُن سے ملتے کا موقع نہ ملا۔ یہاں ”نہ ملا“ کی جگہ ”پر نہیں ملا“ ہونا چاہیے۔

یا۔ وہ خاوند کے مرنے سے درگور ہوئی۔

یہاں۔ ”وہ خاوند کے مرنے سے زندہ درگور ہو گئی“ ہونا چاہیے۔

”الغرض نظم ہو یا نثر دونوں میں روزمرے کی پابندی جہاں تک ممکن ہو ضروری ہے مگر محاورے کا ایسا حال نہیں ہے۔ محاورہ اگر عمدہ طور پر باندھا جائے تو بلاشبہ پست شعرو بلند اور بلند کو بلند تر کر دیتا ہے لیکن ہر شعر میں محاورہ کا باندھنا ضروری

ہیں بلکہ ممکن ہے کہ شعر بغیر محاورے کے بھی فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجے پر واقع ہو اور ممکن ہے کہ ایک پست اور ادنیٰ درجے کے شعر میں بے تمیزی سے کوئی لطیف و پاکیزہ محاورہ رکھ دیا گیا ہو ایک شعر ہے ۔

گو ہر اشک سے لبِ ریز ہے سارا دامن

آج کل دامنِ دولت ہے ہمارا دامن

اس شعر میں کوئی محاورہ نہیں باندھا گیا۔ اس کے باوجود شعر قابلِ تعریف ہے دوسری جگہ یہ شاعر کہتا ہے ۔

اُس کا خط دیکھتے ہیں جب صیّار

طوطے ہاتھوں کے اڑا کرتے ہیں

اس شعر میں نہ کوئی خوبی ہے نہ مضمون ہے۔ صرف ایک محاورہ باندھا گیا ہے اور وہ بھی روزمرے کے خلاف یعنی اڑ جاتے ہیں کی جگہ اڑا کرتے ہیں۔ محاورے کو شعر میں ایسا سمجھنا چاہیے۔ جیسے کوئی خوب درتِ عضو۔ بدن انسان میں۔ اور روزمرہ کو ایسا جاننا چاہیے جیسے مناسب اعضاء بدن انسان میں جس طرح بغیر تناسب اعضاء کے کسی خاص عضو کی خوبصورتی سے حُسنِ بشری کامل نہیں سمجھا جاسکتا اسی طرح بغیر روزمرہ کی پابندی کے محض محاورات کے جاویدجا رکھ دینے سے شعر میں خوبی پیدا نہیں ہو سکتی۔ (مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی)

حالی کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض شعراء محاورہ بندی میں حدِ اعتدال سے گزر جاتے ہیں جس سے شعر کا معیار متاثر ہو جاتا ہے۔ وحید الدین سلیم لکھتے ہیں کہ :-

”ایک گروہ شاعروں کا ہمارے ہاں ایسا ہے جو رات دن زبان باندھنے کے دپے

رہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو روزمرہ کی ترکیبوں اور زبان کے محاوروں

کو روشناس کرے۔۔۔۔ اس قسم کے شعراء دانستہ ایسی زمینیں غریبوں کے لیے انتخاب

کرتے ہیں جس میں ردیف کوئی فعل ہو یا فعل کے مشتقات میں سے ہو۔ پھر کوشش کرتے ہیں

کہ اس فعل کے ساتھ لفظوں کے ملانے سے جتنے محاورات بنتے ہیں حتیٰ الوسع ان سب کو باندھ

دیں۔ مثلاً ”ٹوڑنا“ کی ردیف میں ایک شاعر نے ان محاوروں کو استعمال کیا ہے تو بڑھنا۔

دل توڑنا۔ کمر توڑنا۔ ہمت توڑنا۔ تارے توڑنا۔ پاؤں توڑنا۔ وغیرہ وغیرہ (افادہ سلیم ۳۸)
مجاورہ بندی کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس موضوع پر بڑے بڑے شعراء
اور تنقید نگاروں میں بحث و مباحثہ کے ساتھ ساتھ مراسلت بھی ہوتی رہی ہے مکتوبات
داغ میں امیر مینائی اور داغ کے مابین اس موضوع پر اظہار خیال ملتا ہے مکاتیب جلیل
دور شاعری (ہند بکھنوی) اور نیاز فتح پوری کے رسالے ”نگار“ میں خود ان کے قلم سے
”باب الاستفاد“ کے عنوان سے مجاوروں پر بحث ملتی ہے۔ رسالے کتاب ناما میں مولانا
واصف دہلوی، ابو محمد سحر اور رشید حسن خاں اس موضوع پر لکھتے ہیں۔ ایک شاعر نے ”کھلے
خطوط“ کے کالم میں حمایت علی شاعر رقم طراز ہیں کہ (کتاب ناما۔ کھلے خطوط۔ جنوری ۹۱ء)
”... ایک بار میں نے جوش صاحب سے نہایت مؤدب انداز میں پوچھا تھا کہ آپ نے
ایک شعر میں فارسی مجاورے کا اردو ترجمہ شاید قافیہ کی مجبوری سے غلط کر دیا ہے چونکہ پرچہ
میں نے عرض کیا ”فتنۂ خانقاہ“ نظم کا ایک شعر ہے

آہستہ چل رہی تھی عقیدت کی راہ سے
یا تو نکل رہی تھی دلِ خانقاہ سے

آپ نے۔ ازراہ عقیدت۔ کالفاظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اردو مجاورہ۔

راہ پر چلنا۔ یا راہ سے لگنا ہے۔ راہ سے چلنا قدرے غور طلب ہے۔

مجاوروں کی تخلیق | مجاوروں کی تخلیق میں سماجی، مذہبی، معاشی، تاریخی، ثقافتی اور
طبی عناصر کا فرما رہے ہیں۔ جیسے لنگوٹی میں بھاگ کھیلنا۔ ہُن
برسنا۔ آٹے دال کا بھاد معلوم ہونا۔ ریشہ خٹکی ہونا۔ مزاج درست کرنا۔ نبض ٹوٹنا۔
ایک دن کی بادشاہت۔ نادر شاہی چلانا۔ روزے گلے پڑنا وغیرہ۔ اس کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے وحید الدین سلیم نے تبلیغی مجاوروں کی تشکیل کا تذکرہ کیا ہے لکھتے ہیں:

تبلیغی مجاورے

غمت رلود کرنا

ایک مجاورہ ہے۔ اس کے معنی ہیں، مطلب خبط کرنا۔ قصہ یہ ہے

کہ بوستان کا یہ شعر ہے کہ سعدی کو گوی بلاغت رلود نہ درایم بویکون سعد رلود

پڑھنے والے نے استاد سے پوچھا کہ ”غث رلود“ کے کیا معنی ہیں۔ اصل میں اس نے بلاغت میں سے۔ غث۔ کو جدا کر کے دوسرے لفظ۔ رلود۔ سے ملا دیا اور غث رلود کو ایک لفظ سمجھا۔

ٹیڑھی کھیر۔ ٹیڑھی کھیر کے معنی ہیں مشکل کام۔ کہتے ہیں ایک اندھے نے کسی شخص سے پوچھا۔ ”حافظ جی کھیر کھاؤ گے“ اس نے کہا ”کھیر کیسی ہوتی ہے؟“ اس نے کہا

سفید۔ پوچھا سفید کیسی؟ کہا جیسے بگلا۔ اس نے پوچھا بگلا کیسا ہوتا ہے؟ اس نے کہا تھوٹیڑھا کر کے دکھایا۔ اندھے نے ٹوٹی کر کہا۔ یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے ہم سے نہ کھائی جاتی۔

بھگی بلی بتانا۔ ایک تلمیحی محاورہ ہے یعنی بیجا عذر کرنا۔ ایک شخص مکان میں سو رہا تھا۔ وہیں اس کا نوکر بھی ایک طرف پڑا تھا۔ آقا نے نوکر کو کئی مرتبہ

کام سے باہر بھیجا جیسا ہاگس ہر مرتبہ وہ کوئی نہ کوئی نیا عذر تراش کر بیان کر دیتا کہ باہر نہ جانا پڑے۔ آخر کار آقا نے کہا۔ باہر بارش ہو رہی تھی، جا کر دیکھ ہو رہی یا ٹھہر گئی؟ نوکر

نے جواب دیا کہ ابھی ہو رہی ہے۔ آقا نے پوچھا تو نے کس طرح معلوم کیا؟ اس نے کہا کہ باہر سے ابھی ابھی بلی اندر آئی تھی اس لیے ہاتھ پھیر کر دیکھا تو بھگی ہوئی تھی۔ (افاداتِ سلیم ص ۱۶)

مرد زمانہ سے نئے نئے محاورات بنتے ہیں اور قدیم متروک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

”محرابُ سنانا“ یعنی رمضان میں نزویح کے دوران قرآن کی تلاوت کرنا۔ مہذب لکھنوی لکھتے ہیں۔ ”محرابُ سنانا حضراتِ اہل سنت کی خاص اصطلاح ہے۔ چنانچہ جو شخص

اس قدر سلام پاک یاد کرے کہ نزویح میں امام جماعت بن کے قرآن مجید کو زبانی پڑھے تو کہتے ہیں کہ فلاں حافظُ محرابُ سنانے لگا۔ یعنی اس قابل ہو گیا کہ نزویح میں روانی کے ساتھ پڑھ سکے۔ یہ محاورہ تذکرہ علمائے فرنگی محل نامی کتاب میں مولوی غنایت اللہ نے

ص ۱۶ پر مولوی غلام محی الدین کے تذکرے میں صرف کیا ہے جو حیدر آباد دکن میں وکالت

کیا کرتے تھے۔ یہ محاورہ صرف اہل سنت تک محدود ہے۔ عمومیت حاصل نہیں۔ عوام

و خواص لکھنؤ اکثر و بیشتر نادانِ واقف ہیں۔ (دورِ شاعری ص ۲۵)

اور اب یہ متروک بھی ہو چکا ہے۔

غیر اہل زبان دانشوروں سے محاورے کی غلطی

ہندوستان کے ایک بلند پایہ اردو فارسی شاعر
ایران میں کسی کے ہاں مقیم تھے۔ ایک دن انھوں
نے دیکھا کہ دودھ اُبلنے ہی والا ہے۔ سوچنے

لگے ”شیرِ سرمی جوشد کہوں یا“ شیرِ بلندی شود“ کہہ کر آواز دوں۔ اتنے میں لازمہ
چیمختی ہوئی آئی ”شیرِ سرمی دہلد۔ شیرِ سرمی دہلد“۔ شاعر صاحب دم بخود رہ گئے۔ جو
جلے انھوں نے سوچے تھے وہ غلط تھے مگر وہاں کے محاورے سے مطابقت نہ
رکھتے تھے۔ اگر وہ آواز دیدیتے تو اہل خانہ کو معلوم ہو جاتا کہ وہ اہل زبان نہیں ہیں۔
مولانا اصف دہلوی نے ”اردو کی بیتی“ (مطبوعہ کتاب نامہ ستمبر ۸۶ء) میں اور
فتح محمد خاں جالندھری نے مصباح القواعد میں حسب ذیل واقعہ سپردِ قلم کیا ہے۔
”قاموس“ عربی زبان کا بڑا مشہور اور مستند لغت ہے تمام دنیا کے علماء و فضلا
اور ادبا اس کو سند مانتے ہیں۔ اس کی ایک شرح تاج العروس کے نام سے پندرہ
سولہ جلدوں میں لکھی گئی۔ اس کے بعد اس کی بنیاد پر ”لسان العرب“ کے نام سے اٹھارہ
جلدوں میں ایک ضخیم لغت مرتب کیا گیا۔

قاموس کے مؤلف علامہ محمد الدین کے والدین ایران سے جا کر عرب میں آباد ہو گئے
تھے۔ غالباً ان کی پیدائش وہیں ہوئی۔ ادبی ذوق بچپن سے تھا۔ عربی لسانیات پر لورا
عبور حاصل کیا۔ ایک عرب لڑکی سے شادی ہوئی۔ دہن جب گھر میں آئی تو صاحبِ قاموس
کی زبان سے یہ الفاظ اس کے کان میں پہنچے ”اقتل السراج“ وہ کسی سے کہہ رہے تھے
کہ چراغ بجھا دو۔ عربی میں چراغ بجھانے کے لیے ”اطفاء“، ”لولا جاتا ہے۔ جب کہ
فارسی محاورہ ہے ”چراغ کشتن“ جس کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے ”چراغ کو مار ڈالنا۔
صاحبِ قاموس نے ”اطفاء السراج“ کے بدلے فارسی محاورے کا ترجمہ کر دیا۔
”اقتل السراج“۔ دہن یہ سنتے ہی ”ہذا عجیب“۔ ”ہذا عجیب“۔ کہتی ہوئی چیمختی
چلائی باہر نکل آئی اور پاگلوں کی طرح اودھم مچا دیا کہ (یہ تو ایرانی ہے۔ یہ تو ایرانی ہے)
نتیجہ یہ ہوا کہ تفریق ہو گئی۔

غور فرمائیے کتنا ہی بڑا حادثہ ہوتا ایک نئی دہن شرم و حیا کو بالائے طاق

رکھ کر اس طرح نہیں نکل سکتی تھی۔ اپنی زبان و ادب کے تحفظ کے لیے ایسی ہی دیوانگی کی ضرورت ہے۔

شمالی ہند کے فارسی گو شعراء کبھی کبھی مُنہ کا مزہ ابلنے کے لیے اردو محاوروں کا ارتقا | کے لیے اردو میں بھی طبع آزمائی کر لیا کرتے تھے۔ معز الدین فطرت کہتے ہیں۔ ۷

از زلفِ سیاہ تو بدلِ دُوم پری ہے

در خانہ آئینہ گتا جُوم پری ہے

دُوم پری (دھوم پڑی) گتا جُوم پری (گھٹا جھوم پڑی)

یہ نقطہ آغاز تھا اردو محاوروں۔ دھوم پڑنا اور جھوم پڑنا۔ کا قزلباش خاں اُمید کہتے ہیں۔ ۷

بامں کی بیٹی آج موری آنکھ ٹوں پری پد غصہ کیا وکالی دیا دگر لری

(برہمن) (بیٹی) (میری) (میں پڑی) (لڑکی)

اس شعر میں "آنکھ میں پڑنا" آنکھ پڑنا محاورے کی ابتدائی شکل ہے۔

جیسے جیسے اردو زبان کا دامن وسیع ہوتا گیا یہ ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگا کہ فارسی محاوروں کو اردو میں منتقل کیا جائے۔ عہدِ ولی سے اس کام میں سرعت پیدا ہو گئی۔ خود ولی دکنی کے کلام میں فارسی محاوروں کے ترجمے کی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً جفا کشیدن۔ جفا کھینچنا۔ قول دادن۔ قول دینا۔ بجا ماندن۔ بجا رہنا۔ گوش کردن۔ گوش کرنا یعنی سُنا۔ تیغ افشاندن تیغ بھالنا طرز گرفتن۔ طرز لینا وغیرہ وغیرہ۔

(در بختہ ولی۔ نور الحسن ہاشمی)

بعض جگہ تو شاعروں نے صرف لفظی ترجمے کر دیئے تھے۔ غرض اس طرح فارسی کے سینکڑوں محاوروں کو اردو لباس پہنا دیا گیا۔ ان میں سے جو واقعی خوبصورت اور جستہ تھے وہ جزو زبان بن گئے جن میں ناما نو سیت تھی اُسے خود زمانے نے مکمال باہر کر دیا۔

شروع شروع میں اس سلسلے میں دو پہلو سامنے آئے۔ ایسے فارسی محاورے

جو زبان زد خاص و عام تھے اور جنھیں بچہ بچہ سمجھ سکتا تھا بعینہ اردو میں لے لیے گئے البتہ ان کا ترجمہ کر لیا گیا جو اردو کے مزاج سے ہم آہنگ نہ تھے
(۱) یک نہ شد دوشد (۱)

فارسی محاورے

وعدہ جو کل کا آج پہ تھا سو ہوا خلا : پھر آج آپ کہتے ہیں کل یک نہ شد دوشد (قائم)
(۲) این گل دیگر شکفت.

باغ میں رونا ہوں غولیں اس گل دیگر شکفت : سو سہم گل میں جنوں اس گل دیگر شکفت (شرف)
(۳) ہر کالے دہر مردے

ہنم سے بھلا کہہ لو، سرتیغ تلے دھڑے : پیائے یہ ہیں سے ہو، ہر کار و ہر مرد (سودا)
(۴) نے غم دزد نہ اندیشہ کالا

خوش رہتے ہیں چار ابرو کی تلا کے صفائی : نے ہکو غم دزد نہ اندیشہ کالا (انشاء)
(۵) چشم ماروشن

چشم ماروشن کہ اس بیدر کا دل شاد ہے : دیدہ پرخوں ہمارا ساغر سرشارد (غالب)
(۶) یک درگیر و محکم گیر

ہم تو میخانے سے نہیں ہلتے : سچ ہے یک درگیر و محکم گیر (میر ہدی مجروح)
(۷) یک اثار و صد بیمار

ایک دل اور خواستہ گار ہزار : کیا کروں یک اثار و صد بیمار (میر ہدی مجروح)
(۱) اس تبلیغی محاورے کا قلم "افادات سلیم" میں ہے۔ شائقین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

فارسی محاوروں کا ترجمہ

آپ کردن ہے اے ولی دل کوں آب کرتا ہے : نیکہ چشم سرگین کی ادا (ولی)
ہوش گم کردن ہے آج تیری بھواں نے مسجد میں : ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا (—)
سر کردن ہے سر کروں جب وصف تیر جامہ کلنگ کے : جامہ بیاں کو بزنک صورت دیا کرو (میر)
ہے میرے حضور شمع نے گریہ جو سر کیا : رو یا میں اس قدر کہ مجھے آب لیلیا (میر)

ایک سرخو خلاف نیست ہے

اُس زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال بے یکرنگ کے سخن میں خلاف ایک نہیں (یک رنگ)
 گُل کو محبوب پر تیا س کیا : فرق نکلا بہت جو یاں کیا (میر)
 خاک بکسرن ہے تو ہی کچھ اپنے سر پہ دیاں خاک کر گئی : شبنم بھی اس چمن سے صبا چہنم تر گئی (درد)
 بقد ہایک شرہ ماندن ہے

یہ چشم شوق طرفہ جگہ ہے دکھا دکی : بٹھڑو نقد ایک شرہ تلم اس مکان میں (میر)
 طرف شدن ہے کیا کہنے حُسنِ عشق سے آجی طرف ہوا : دل نام قطرہ خون کا ناحق تلف ہوا (میر)
 دل بستن ہے دل کو کیا باندھے ہے گلزارِ جیاں ببل چُن اس باغ کا اک روز خزاں ہو گیا (قائم)
 کمر بستن ہے ہم تو میں تجھ زلف سے ہی سر بسر باندھوئے : حیدر بستہ کیوں کچھ ہے پر کمر باندھوئے (میر حسن)
 پتیا پر کردن ہے ساتی چمن میں چھوڑ کر مجھ کو کدھر چلا : پیانہ میری عمر کا ظالم تو بھیر چلا (سودا)
 دامن افشاندہ برخواستن ہے

کیا اس چمن میں آن کے لیجائے گا کوئی : دامن تو میرے سامنے گل جھاڑ کر چلا (درد)
 از جامہ بیرون شدن ہے

نکلا پڑے ہے جامے سے کچھ ان دنوں رقیب : تھوڑی دم دلا میں اتنا ابھر چلا (درد)
 دلِ ادا دست رفتن ہے ہاتھ سے جاتا رہا دل دیکھ محبوباں کی چال (سودا)
 از جان گزشتن ہے وہی جائے وہاں جو جان سے جا گزر چلے (ظفر)
 عرق عرق شدن ہے کہ میری تیر دامن کی آگے عرق عرق : دم امنی ہے (ذوق)
 حرف آمدن ہے لب وہ کہ لعل کے بھی نیگینے پہ حرف ہے (انشا)
 خس بدندان گرفتن ہے

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو نہ لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستان (غالب)
 (دیوان غالب نسخہ حمید یہ)

حلقہ زدن ہے حلقہ زن ہے تجھ دہن کی یاد میں : خاتم دست سلیمانی ہنوز (ولی)
 جبہہ سائی کردن ہے اے ولی غیر آستانہ یار : جبہہ سائی نہ کر، خدا سوں ڈر (ولی)
 از آج چشم و منور کردن ہے روشن دلائلِ جہم گدازاں پئے نماز : جوں شمع آج چشم سے آؤ منوریں (بیدار)

بحال آمدن ہے

اسی کا خرام دیکھ کے جہان نہ جائے گا : اے کبک پھر بحال بھی آیا نہ جاگا (میر)

نہ مکر دار نہ دہن دار نہ ہے

بھاگئی کوئی وہ چیز بٹول کی ہمسکو : نہ مکر رکھتے ہیں ظالم نہ دہن رکھتے ہیں (ناسخ)

زنجیر گردن ہے

سودا زدہ یہ دل ہے تو تدبیر کریں گے : اُس زلف گرہ گیر سے زنجیر کریں گے (انشا)

خیال بستن ہے

باندھتے ہیں اپنے دل میں زلفِ جانال کا خیال : اس طرح زنجیر پہناتے ہیں دیوا کو ہم (ناسخ)
 صفی اور نگ آبادی مکتبِ داغ سے تعلق رکھتے ہیں اور داغ کی محاورہ بندی کا لوہا سا لے ہندوستان میں مانا جاتا ہے۔ چنانچہ صفی نہ صرف خود محاورہ بندی میں بلکہ رکھتے تھے بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی یہی ہدایت دیتے تھے کہ جب کسی شعر میں محاورہ یا سانی صرف ہو سکتا ہو تو ضرور باندھنا چاہیے۔ (ملاحظہ ہو اصلاحاتِ صفی ذکرِ نظیر علی غل) صفی کے کلام میں لطفِ زبان کے علاوہ محاوروں کے جربستہ استعمال کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے بیشتر اشعار زبانِ زرد خاص و عام ہو جاتے تھے اور یہ حقیقت آئندہ صفحات میں اظہر من الشمس ہے۔ پڑھتے جاتیے اور سر دھتے جاتیے۔



صفی ہر آدمی قسمت کا اچھا ہو نہیں سکتا
 مگر بھی جو ملتا ہے تو ملتا ہے مقدس

کتابیات

۱. مقدمہ شعر و شاعری . حالی
۲. شعرا ہند . مولانا عبد السلام ندوی
۳. آبِ حیات . محمد حسین آزاد
۴. ہماری شاعری . مسعود حسین رضوی ادیب
۵. افاداتِ سلیم . وحید الدین سلیم
۶. دیوانِ غالب . نسخہ جمید یہ
۷. دورِ شاعری . مہذب لکھنوی
۸. زبانِ داغ . مرتبہ : رفیق مار بروی
۹. مکاتیبِ جلیل . مرتبہ : علی احمد جلیل
۱۰. فرہنگِ آصفیہ
۱۱. مصباح اللغات
۱۲. مصباح القواعد . فتح محمد خاں جالندھری
۱۳. نگار کے کچھ پُرانے رسالے
۱۴. کتابِ نما کے کچھ پُرانے رسالے
۱۵. اصلاحاتِ صفتی . مرتبہ : محبوب علی خاں اشگر
۱۶. ریختہ دلی . نور الحسن ہاشمی

خواجہ حسین الدین عرمی
(کنساس اسٹیٹ ممالک متحدہ امریکہ)

سخن مختصر

کیسے خبر تھی کہ جبریلُ سخن والی دکنی، سراج، داؤد، تمنا جیسے شعراء کی خجستہ دنیا سرزمین اورنگ آباد سے ایکٹھ صدی بعد حکیم محمد منیر الدین صدیقی کے گھر (۲۵ رجب ۱۳۱۰ء) پیدا ہونے والا پوتہ بہبود علی صفی کے نام سے اُنق شاعری پر آفتاب سخن بن کر چمکے گا اورنگ آباد کی مٹی سے یہ آفتاب ابھر اٹھا مگر اس کی مٹی حیدر آباد کن کی تھی۔ جہاں یہ تیر اعظم (۱۵ رجب ۱۳۷۳ھ ۱۱ مارچ ۱۹۵۴ء) کو غروب ہوا، اور اردو شاعری خاص طور پر صفت غزل کو مرتے مرتے آبِ حیات پلا گیا۔

شعرو سخن کے قدردانوں، حضرت صفی کے پرستاروں اور خدو و صا اہل دکن کے لینے جس طرح انیسویں صدی کا آخری دہاکت داغ دہلوی کی اس آخری شمع کی پیدائش کیلئے ہمت کا حامل ہے اسی طرح بیسویں صدی کا یہ آخری دہاکت بھی صفی شناسی کی راہ میں بہت یا برکت ہے، کیوں کہ ان کے فیضانِ سخن کے ہر رنگی پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے ہر نرم تلاذہ صفی کے تفسیر اور آخری معتمد الحاج محبوب علی خاں انجمن قادی صاحب نے جہاں کسی شخص یا کسی ادارہ کے مالی تعاون کے بغیر اپنے ذاتی سراپے سے تذکرہ تلاذہ صفی (مطبوعہ اپریل ۱۹۹۱ء) اصلاحات صفی (مطبوعہ جنوری ۱۹۹۳ء) خمریات صفی (۱۹۹۵ء) اور انشائے صفی (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) شائع کیا ہے وہیں ان کی بے لوث شہادہ روزانہ فطرت محنت اور کوشش سے محاوراتِ صفی کی ترتیب، تصویر، تہیض، کتابت و طباعت کے حوصلہ مندانہ مرحلے طے ہو رہے ہیں۔

انیسویں صدی کے درمیانی عہد میں جب رزا الوشہ اسد اللہ خاں غالب نے یہ دعوتِ فکر بیدار کی کہ شاعری قافیہ پیمائی نہیں، معنی آفرینی ہے، مجذوب کی بڑ نہیں، مطالب و مقاصد سے ہم آہنگی ہے، طفلِ مکتب کی بازی گری نہیں، دیدہ بینا کی کسوٹی ہے، امیر حمزہ کی داستان نہیں، قطرہ میں دجلہ کی نمائش ہے، قد و گیسو کی آرائش نہیں، دار و رسن کی آزمائش

ہے، بادہ و ساعہ کا تذکرہ نہیں، مشاہدہ حق کی گفت و گو ہے تو اردو شاعری عموماً اور اردو غزل خصوصاً ایک نئے جہانِ معنی سے آشنا ہوئی۔ اس جہانِ معنی کی تفسیر و ترویج کے لیے غالب کے بعد مولانا حالی سامنے آئے۔ حالی کے بعد اقبال اور پھر یہ سبک الماس و گہر کا جنت بگاہ سلسلہ ایسا چل بچلا کہ اردو غزل گل و بلبل چشم و لب، حُسن و عشق اور مسائلِ نفوس سے آگے بڑھ کر حیات و کائنات کے سارے مسائل اور تمام سنجیدہ ادکار کی ترجمان بھی گئی۔

غزل گوئی اردو شاعری کی روایت ہے۔ ہر فن کار اپنے فن کی روایتوں میں حُسن و غزل کو نکھارتا اور سنوارتا ہے اور جب اس حُسنِ کاری اور ادبی تمیہ کاری کے تجربے کامیاب ہوتے ہیں تو روایتوں کی تازگی اور شادابی برقرار رہتی ہے۔ حضرت صفی کی شاعری میں فکر و احساس اور شعور و آگہی کا توازن باتا ہے اور اپنے منفرد انداز میں روایتوں کی تابندہ بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ مطالعہ کرنے پر معلوم ہوگا کہ ان کے فردوسِ تخیل اور ان کی پُرگوئی، قادر الکلامی اور بدیہ گوئی نے شاعرانہ عبقریت کا کمال دکھایا ہے باوجود یہ کہ ان کی شعری کائنات مرحلہ وار گم بھی ہوئی، چوری بھی گئی، ڈبلودی بھی گئی، جل بھی گئی اور حاجتِ روائی کی غرض سے ارزاں فروخت بھی ہوئی اور اس کے علاوہ سینکڑوں شعر و کلامِ سخن میں بٹ بھی گئے! اب دامنِ تپہ میں جو بھی دستیاب ہے وہی مسابہ ہنر ہے چند اوراق ہیں جو کچھ بھی غنیمت ہے صفی

اب میں کھوئے ہوئے دیوان کہاں لاؤں
آپ مخطوط ہوں گے کہ سہی اوراقِ دامنِ باغیاں ہیں اور کفِ گلِ فروش! اس لاابا
قلندرِ صفت شاعر کے سرمایہ شعری کے ناقابلِ تلافی نقصانات کے بعد فی پُر حیرت جا
اٹھتا ہے تو ”پراگندہ“ اوراق کی اہمیت اور قدر بھی کو دہرائی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:
دیوان کو صفی کے نہ پامال کیجیے نہ کچھ تو لحاظ کیجیے آخر کتاب ہے

کلامِ صفی کے پروانے اور روایتی شاعری کے متوالے بخوبی واقف ہیں کہ تاریخ و ادب کے آخانِ خانان جناب نور الدین خاں صاحب ”سوانح عمری صفی اور ننگ آبادی“
۱۹۸۹ء میں زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کے بعد جنوری ۱۹۹۳ء میں (غیر مطبوعہ)

”کلامِ صفی“ کیا مرتب کیا کہ وارفتگانِ زبان و ادب، تشنگانِ شعر و سخن کے لیے آبِ جاری کر دیا جس کی شفاف اور شیریں لہروں میں صفی کی شخصیت اور شاعری کے آن جانے اور ناشیدہ پہلوؤں کی قزح کی رنگینوں کی طرح سامنے آتے ہیں۔ اگر میری بات کو مبالغہ آرائی تصور کیا جائے تو عرض کر دوں گا کہ اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ ان تالیفات کی روشنی میں حضرت صفی کی سوانح عمری تو وسیعی معلومات کے ساتھ مکرر اشاعت کی طالب معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ ادبی ذریعہ جناب، نور الدین خاں صاحب کے تحفہ قلم سے ادا ہو جائے تو نور علی نور۔

ان کتابوں سے متعلق چند سطر پر سپرد قلم کرتا ہوں۔ ”تلامذہ صفی اور نگاہِ بادی“ اشکرِ ضا کی دیرینہ لکھناوش، جست و خیز اور دید و دریافت کا انمول نگارِ خداد ہے۔ اس کتاب سے ان کے تحقیقی اور تخلیقی سفر کا آغاز ہوا جس کی پیدیرائی اہل ذوق نے والہانہ انداز میں کی۔ اب کیا تھا کہ ہر باجتم و عقیق یافتہ، کام کرنے کی لگن نے ان کے دل پر اپنا گہرا سکہ جما لیا۔ اپنے تلمذ کو جو جنش دی تو ان کے قدم اور قلم میں حرکت و عمل کی برق رفتار دوڑ ڈٹی نظر آنے لگی۔ ”اصلاحاتِ صفی“ جب سامنے آئی تو پتہ چلا کہ شہرِ سخن میں ایک تازہ اور خوش گوار ہوا کا جھونکا آیا اور اس طرح صفی شناسی کے راستے میں جگہ جگہ ہمشاں جگمگانے لگی۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہو گا کہ یہ موتی صفی کے ابر نیساں برسنانے والے قلمِ درِ رقم ہی سے بکھیرے گئے ہیں۔ استاد شاگردوں کو چمکانے لگے۔ بیشتر اصلاحیں ایسی ہیں جن سے لفظی حن و معنی بلندی پر پہنچ گئے اور شعر کی معنوی خوبی اپنی عظمت کی دلیل۔ گویا تلامذہ الرحمن کے آئینوں کا جوہر!

راہِ شوق کی دلولہ انگیزی اور ادبی ذوق کی فطری کوہ کنی نے ادب و شاعری کے اس سیاح کو بے فکر بیٹھنے نہ دیا اور ”آبِ حیات کے آخری شاعر“ اور ”سرزمینِ دکن کو رشک شیراز بنانے والے“ کی بادہ نوشی یاد آئی تو سارے کلام میں سے دماغی عزیز کے بعد جستہ جستہ ایسے شعر اکٹھا کیے جن میں جام و مینا، مئے و مستی کے رندانہ مضامین ہیں۔ پھر ”صبوحی“ کے عنوان سے ان کا تعارف کرتے ہوئے ”خمریاتِ صفی“ کے نام سے اس مجموعہٴ سخن و خوبی کو خاصی اہتمام سے شائع کیا اور خاکسار کو بھی اس کے

ایک نسخہ سے نوازا۔ اس کے اشعار حساس دل کے خمار آمیز جام ہیں۔ منجملہ (۱۱۳) شعروں کے سولہ اشعار کو ولی محمد صدیقی کے خوبصورت اور دلکش خاکوں سے اس طرح آراستہ کیا کہ دیوان غالب کے رفیع چغتائی اور رباعیات عمر خیام کی مصوٰر اشاعتیں یاد آگئیں۔ کاش یہ خاکے رنگین ہوتے تو دیدہ زیبی میں اضافہ ہوتا! باوصف اس کے مرتب نے پروفیسر یعقوب عمر اور ڈاکٹر محمد علی انصاری کے موضوعاتی پیش بہا معلومات آفریں مفہین اور جناب محمد نور الدین خاں صاحب کی رائے شامل کر کے کتاب کی وقعت اور اہمیت کو ایک قیمتی تحفہ بنا دیا۔

ہماری زندگی میں شخصی حالات، عادات و اطوار، آپس کے باہمی تعلقات پسندنا، اخلاص و محبت، نفرت و حقارت، عقاید و افکار، نظریات و تصورات کا علم دیگر ذریعوں اور ماخذوں کے علاوہ مکاتیب اور ذاتی خطوط سے بھی ہوتا ہے۔ خطوط کے ذریعہ اسلوب نگارش، زبان کی سلاست اور بیان کی شگفتگی آشکار ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں سائنسی ایجادات جیسے ٹیلی فون، ٹیپ ریکارڈر، ٹیلی پرنٹر، فیکس، انٹرنیٹ وغیرہ کے توسط سے گفت و شنید، اہم اور ضروری اطلاعات، مختصر و مفید قسم کے مراسلت نے ادبی اہمیت کے خطوط کی اشاعت کو بے حد کم کر دیا ہے لیکن علم و ادب یا تاریخی اور سوانحی افادیت کے نکتہ نظر سے ایسے رشحاتِ خامہ کا کتابی شکل میں مرتب و محفوظ ہو جانا بہت غنیمت ہے۔

حضرت صفی کے خطوط کا ذکر سوانح میں قدرے تفصیل کے ساتھ ”ورشع فردوزاں“

(مطبوعہ ۱۹۹۲ء) میں مختصراً صفحات ۱۶۲ و ۱۶۳ پر ملے گا۔ ان کی دستیابی کے سلسلے

میں خاکسار کا مزید کچھ لکھنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ البتہ ایک بات کی جانب توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مبصرین سے فرو گذاشت ہوئی ہے وہ یہ کہ خطوط کے اعتبار سے ان نثری دستاویزوں اور چند تحریروں کے علاوہ کلامِ صفی (غیر مطبوعہ) کے صفحہ ۵۱ تا ۵۳ پر اپنے کسی دوست فیض الدین صاحب کے نام (۲۳)

اشعار پر مشتمل ایک منظوم خط بھی ملتا ہے: ”کہ تخلصِ صفی تو خوب نہیں“ سے متعلق ہے اس کے انداز بیان میں طبیعت کی شائستگی کے ساتھ ساتھ مختصانہ دلربائی بھی ہے۔

خطوط منشور ہوں کہ منظوم اس کاغذی پیرہن میں تدریس، تفکر اور تاثیر کی معنی آفرنی کے علاوہ شاغل اور لکھنوں کی بھولی بستی سہانی یادیں بھی تازہ ہو جاتی ہیں۔

میں جناب نور الدین خاں صاحب کی ادبی فراخ دلی کی قدر کرتا ہوں کہ انھوں نے ان سکا تیب کی عکسی نقیض بغرض اشاعت اخگر صاحب کے حوالے کر دیں بعض محقق عام طور پر صوفی صفت ہوتے ہیں۔ وہ نام سے زیادہ کام پر یقین رکھتے ہیں۔

دونوں کا مقصد گنج مخفی کی جلوہ نمائی ہے کسی کو نام آوری کا شوق ہے اور نہ شہرت کی طلب بلکہ دکن کے فراموش کردہ درمکتوم ناقد رشناس شاعر کے کاموں کی مختلف پہلوؤں سے روشناسی کرانا مطلوب ہے۔ ”اظہار حقیقت“ کے ساتھ اخگر صاحب نے قرطاس و قلم کے دستیاب مختصر سرمائے کو ”انشائے صفی“ کے عنوان سے گل نشا کیا۔ کورا کاغذ اس وقت تک کورا رہتا ہے جب تک کہ کسی فن کار کے موئے قلم کی جنبش اسے نقش و دام عطا نہیں کرتی چاہے وہ کسی شاعر، مفکر، ادیب یا مصور کا ہو۔ حضرت صفی کی شاعری نے جہاں ایک طرف عروس سخن کو جمالِ نین بخشا وہیں دوسری طرف ان کی نثری نگارشات نے ادب کی مانگ میں افشاں چینی۔ اگر یہ مکاتیب تجسس و تحس کے بعد خوش اسلوبی کے ساتھ اشاعت پذیر نہ ہوتے تو گردشِ لیل و نہار کے ہاتھوں ان ”چاندی کے اوراق“ (بقول مرتب) کا خدا جانے کیا حشر ہوتا! فاضل مضمون نگاروں کے مضامین نے میرا کام آسان کر دیا۔ کتاب سے خلوص و وفا اور عقیدت کی خوشبو آ رہی ہے۔ دیدہ زیب سرورق سے اندازہ ہوتا ہے کہ طباعت پر کس محبت سے محنت کی گئی ہوگی۔

جنونِ ادب کے صحرائیں راستہ تلاش کرنا آسان نہیں کسی بھی تخلیق کار کو ہر دم جوان ہر دم رواں کی جو بے قراری و دیعت ہوتی ہے وہ جذباتی اور جمالیاتی تہذیب کے بھولوں اور علم و ادب کے گلشن کو ہر وقت تروتازہ اور شاداب دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ جذبہ فرادال اپنی روانی کھوئے نہیں پاتا۔ اس کی کیفیت ”زشر رستا و جویم از ستارہ آفتاب“ کے مصداق بن جاتی ہے۔ ہزاروں میل دور رہ کر یہ غریب وطن فی الحال اس قدر واقف ہے کہ وطن عزیز میں محاوروں کا کام ہو رہا ہے اس ضمن میں

بطور تمہید اپنے منتشر خیالات پیشِ خدمت ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی زبان کے ادب و شاعری کا مطالعہ تاریخی و تمدنی تہذیب و معاشرتی حالات و واقعات کے علم کے بغیر ادھورا رہتا ہے۔ اردو شاعری کے آغاز و ارتقاء، فروغ و نشوونما، ترویج و اشاعت کا عہد سیاسی اور معاشی اعتبار سے بڑے مصائب اور آزمائش کا دور ہے۔ سیاسی افراتفری اور پُر آشوب زمانے کی داستان ادب و شاعری کے معلقہ ابواب ہیں۔

مغلوں کی فتوحات نے شمالی ہند کی تہذیب و معاشرت کو سربِ بالا کے تمام جنوبی علاقے اور گجرات میں پھیلا دیا۔ چنانچہ ان علاقوں کے بڑے بڑے شہروں کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے تو معلوم ہو گا کہ یہ شمالی ہند کی بستیوں میں اور دہلی کے تمدن و معاشرت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی قدیم ہیئت تبدیل ہو گئی۔ برہان پور اور نگ آباد، احمد آباد اور سورت وغیرہ میں اس کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اس زمانے کی شمالی و جنوبی تصانیف کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قواعد زبان، محاورات اور روزمرہ لب و لہجے کا جہاں تک تعلق ہے دونوں مقاموں کی زبانوں میں کوئی فرق نہیں؛ (یادگار ولی)

دکن میں ولی سے پیشتر دکنی زبان میں شعر گوئی موجود تھی لیکن وہ محض دکنی زبان میں تھی۔ اب سے قریباً کم و بیش تین صدیوں پہلے (۱۱۱۲ھ م ۱۷۰۰ء) ولی کا اثر صرف شمالی ہند اور بالخصوص دہلی کی شاعری پر نہیں ہوا بلکہ دکن کی شاعری پر بھی ہوا۔ اورنگ زیب نے اپنی شہزادگی کے زمانے سے اورنگ آباد کو اپنا مستقر (۱۶۶۸ء) بنایا اور لگ بھگ چھ دہوں تک (۱۱۱۸ھ م ۱۷۰۷ء) دکن کے مختلف شہروں کی فتوحات کے سلسلے میں وہیں رہا تو اس کے ساتھ دہلی اور شمالی ہند کی کثیر آبادی اورنگ آباد اور اس کے قرب و جوار میں بس گئی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں اس کثیر آبادی کے اثر سے شمالی ہند کی زبان اورنگ آباد اور دکن میں رائج ہوئی جس نے دکنی تمدن و معاشرت کے ساتھ وہاں کی زبان کو بھی طبعی طور پر مٹا دیا۔ عالمگیر کے بعد دیرپھ سو سال کے تاریخی واقعات خانہ جنگیوں، انتشار اور

زوالِ آمادہ معاشرت کا بھیاںک منظر پیش کرتے ہیں جس نے قدرتی طور پر ہر شعبہ کو متاثر کیا۔“ (دلی کا دبستان شاعری)

مولانا حالی کے مطابق ”اردو میں ولی سے لے کر انشاء اور مصحفی تک عموماً سب کی غزلوں میں صفائی، سادگی، روزمرے کی پابندی، بیان میں گھلاوٹ اور زبان میں لچک پائی جاتی ہے۔ ان کے بعد دلی میں ممنون، غالب، مومن اور شیفتہ وغیرہ کے کلام میں فارسی ترکیبوں نے اردو غزل میں بلاشبک زیادہ دخل پایا مگر یہ لوگ بھی اعلیٰ درجہ کا شعرا کی کو سمجھتے تھے جس میں پاکیزہ اور بلند خیال ٹھٹھ اردو کے محاورے میں ادا ہو جاتا تھا۔“

ماہرِ لسانیات پروفیسر مسعود حسین خاں کے مطابق ”عبدالمکرمی اورنگ آبادی شعراء کی جو کھپ اورنگ آباد سے اٹھی اس نے محاورہ گو لکندہ و بیجا پور کا لسانی تباع کمتر کیا ہے۔ دوسرے ماہرِ لسانیات ڈاکٹر عبدالنثار صدیقی اولین پرنسپل جامعہ عثمانیہ کے قول کے مطابق ”ولی، سراج، داؤد وغیرہ نے اورنگ آبادی اردو میں شاعری کی۔ ان شعراء کی زبان کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اورنگ آبادی اردو تیزی کے ساتھ محاورہ دہلی سے قریب تر اور محاورہ گو لکندہ و بیجا پور سے دور ہوتی جا رہی تھی۔“

ادب کے تاریخ نگاروں نے شاعری کے مختلف ادوار کی تاریخی ترتیب دی ہے جو ظاہر ہے کہ کوئی متعین حد قائم نہیں کرتی بلکہ تخمینی دور کی نشان دہی کرتی ہے۔ جیسے مثلاً شعرائے متقدمین، متوسطین اور متاخرین پھر ان کے ضمنی یا ذیلی ادوار بھی۔ شعراءِ کرام اور عہد بہ عہد واقعات کی تفصیل میں گئے بغیر صرف اتنا ذکر کافی معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کے دور میں داغ کا طوطی بولتا ہے۔ اسی میں ظہیر، انور، سالک حالی، مجروح، شیفتہ وغیرہ بھی شامل ہیں جب داغ نے دہلی سے رام پور اور پھر رام پور سے دکن کا رخ کیا تو اس کے بعد دہلی کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ دکن پہنچنے

ہوگی اور نظا ہر ہے کہ یہ کام آنے والے مبصروں محققوں اور تنقید نگاروں کے لیے صفی شناسی میں معاون ثابت ہوگا۔ بحیثیت شاعر ان پر جو کچھ لکھا جا چکا، لکھا جا رہا ہے وہ کافی نہیں۔ ان کی سنخوارہ عظمت اور شاعرانہ قدر و قیمت کے تعین کے لیے آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن "صفی بحیثیت انسان" یہ موضوع بھی تلاش اور غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ ضرورت ہے کہ "حال مست تہی دست" انسان کی زندگی کے ان پہلوؤں سے بھی روشناس کرایا جائے۔ وہ شاعر ہونے کے علاوہ ایک اچھے انسان بھی تھے۔ شرافت، وضع داری، غیرت و حسیت، خود داری، آداب مجلس، بے نیازی، ضبط و تحمل، رکھ رکھاؤ، تادیب و تدریس کا انداز، کیا یہ سب اوصاف فراموش کرنے کے قابل ہیں؟ ابھی ان کے تلامذہ حیات ہیں۔ دیدہ و شنیدہ ان کے واقعات پر روشنی ڈال سکتے ہیں اور اس طرح اقدار انسانی کی قدردانی کے ساتھ ان کے تحفظ کی راہ بھی ہموار ہو سکے گی۔

لکھتے لکھتے خیال آگیا تو یہ چند سطریں بھی لکھ دیں ابھی ابھی یاد آ رہا علیٰ اللہ و احبہ فیہ کی تنقیدی تحریک کا یہ اقتباس آپ بھی پڑھیے:

"مجھے انسانی ہمت بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں ان کی جنبش میں ترنم ہے اور خاموشی میں شاعری، ان کی انگلیوں سے تخلیق کی گنگا بہتی ہے۔ یہ وہ فرشتے ہیں جو دل و دماغ کے عرش بریں سے وحی و الہام لے کر کاغذ کی حقیر سطح پر نازل ہوتے ہیں اور اس پر اپنے اپنے دائمی نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کا غزل کو دنیا نظم، افسانہ، مقالہ اور کتاب کہہ کر آنکھوں سے لگاتی ہے اور ان سے روحانی تسکین حاصل کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ہمیشہ قلم کو ہاتھ کا تقدس، ذہن کی عظمت اور قلب انسانی کی وسعت سمجھا ہے اور قلم کے بنا ہوئے نقوش کو سجدہ کیا ہے۔"

محمد نور الدین خاں

★

صفی کا تربہ سخن

جناب صفی اور نگ آبادی نے لڑکپن ہی سے شاعری شروع کر دی تھی۔ اگلے وقتوں کی روایت کے مطابق سب سے پہلے باقاعدہ جس استاد کے آگے زانوے ادب تہہ کیا، وہ تھے جناب منیر الدین ضیاء گورکانی دہلوی، جن کا شمار دلی کے اہل زبان میں ہوتا تھا۔ فن عروض، زبان و بیان، بول چال، روزمرہ، محاورہ اور قواعد دانی میں یدِ طولی رکھتے تھے۔ اس طرح ابتداء ہی سے ضیاء جیسے کامل فن کے فیضِ صحبت سے جناب صفی نے بھرپور استفادہ کیا۔ جناب ضیاء کے علاوہ استاد شاگرد کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے، حکیم ظہور احمد دہلوی، عبدالولی فروغ، اور رضی الدین حسن کیفی سے مشورۂ سخن کیا اور کلام پر اصلاح لی۔ ذاتی قابلیت اور فکری صلاحیت بھی تھی جس کی وجہ سے بہت جلد استاد کے درجہ پر فائز ہوئے، کیوں کہ ان کے بقول یہ

ایک دن باضابطہ استاد بنتا ہے صفی

سیکھتا ہے جو کسی فن کو کسی استاد سے

یہ حقیقت ہے کہ باقاعدہ کسی مدرسہ میں پڑھ کر سند حاصل نہیں کی، لیکن حصولِ علم فن کا شوق بہت تھا اس لیے صفی نے اپنے آپ کو مطالعہ کتب میں مصروف رکھا۔

نور الدین خاں نے اپنے آپ کو مطالعہ کتب میں مصروف رکھا۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں داغ کا ٹیکھا پُن، شوخ بیانی اور زبان و بیان کا چٹخارہ موجود ہے۔ ایسے اشعار بھی ہیں جن میں مسر کا سوز و گداز بھی پایا جاتا ہے مگر سوز و گداز کے یہ موتی اُن کے دریاے شاعری میں تہہ نشین ہیں، تماشے سے ملتے ہیں۔

جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے، صفی دکن کے چوٹی کے غزل گو سخنور تھے۔ معاملاتِ حُسن و عشق، وارداتِ قلبی اور مشاہدات، بڑی سادگی و پُرکاری اور حُسنِ کلام کی ساری خوبیوں کے ساتھ غزل کے پیکر کو آب و تاب بخشا ہے رنگینیِ خیال میں ہے خوںِ دلِ صفی میری خنداں ہے اور غزل کی بہار ہے

ان کا کلام [غزل و نظم] اصلاحات، تنقیدیں اور تحریریں (خطوط) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبان و بیان، روزمرہ، بول چال، تلمیحات اور محاورات و ضرب الامثال سے کما حقہ واقف تھے اور ان کے استعمال کی بڑی قدرت و مہارت رکھتے تھے۔

دلی کی زبان کے علاوہ دکن کی بول چال اور محاوروں کو بھی بڑی جستگی سے بلا جھجک استعمال کیا ہے۔ اپنی زبان دانی پر خود جناب صفی کو اعتماد تھا۔ کسی احساسِ کتری سے مبتلا ہوئے بغیر کہتے ہیں۔

اہلِ زبان نہیں ہوں زبانِ داں ہوں اے صفی
رتبہ مرا زیادہ ہے اور اعتبار کم!

طوالت کے خوف سے میں ان کے اشعار کے حوالے دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ کتاب ”محاوراتِ صفی اور رنگِ آبادی“ آپ کے ہاتھوں میں ہے دیکھ لیجیے، ہاتھ کسنگن کو آرسی کیا ہے۔

جناب صفی کی سخن طرازی کا ایک الگ اسٹائل اور انداز ہے۔ ایک مخصوص اسلوبِ بیان اور لب و لہجہ ہے جو بلاشبہ منفرد ہے۔ ایسی دل نشیں نوائے شاعری ہے جس سے ان کا کلام مقبولِ خاص و عام ہو گیا ہے۔

قدر کرتا ہوں آپ اپنی صفی

واہ مجھ کو بھی کیا زمانہ ملا!

لیکن ساتھ ہی ان کو اپنی اُفتادِ طبع کا خیال آتا ہے۔

صفی کے کام میں غیبی کہاں سے آئے گی

برے مزاج کا تھا اور بُرا زمانہ ملا!

وہ اپنے دیوان کے شائع نہ ہونے کا زمر دار کسی اور کو نہیں ٹھہراتے، یہ الزام خود اپنے

سر لیتے ہیں۔ میرے جنون ہی کا نتیجہ ہے اے صفی

شائع جو آج تک مراد دیوان نہ ہو سکا

اور پھر کسی نا اُمیدی سے کہتے ہیں ؎ ”میں غریب آدمی دیوان کہاں سے لاؤں؟“۔

بارہ سال وہ نواب معین الدولہ امیر کبیر کے دربار سے وابستہ رہے۔ نواب تراب

یا ر جنگ بہادر سعیدان کے شاگرد تھے لیکن وہ جناب صفی کی زندگی تک ان کے بڑے

قدر دان تھے۔ جناب صفی کے دوستوں اور شاگردوں کا بڑا وسیع حلقہ تھا، سب ان کے

قدر دان اور عقیدت مند تھے۔ اتنا سب کچھ تھا لیکن بڑا تعجب ہے کہ ان کی زندگی میں ان

کا ایک دیوان بھی شائع نہیں ہوا۔ لیکن ادھر ان کی آنکھیں بند ہوئیں (۱۹۵۴ء) ادھر

ان کے دوستوں کی آنکھیں کھلیں اور قدر دانوں کا شعور بیدار ہوا، انھوں نے ٹھیک ہی کہا

تھا۔

مرنے پر ہماری قدر ہوگی

دشمن کو بھی یاد آئیں گے ہم!

جناب صفی کے نام سے کئی انجمنیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔ صرف ایک مضمون ان کی زندگی میں

صاحبزادہ اشرف الدین علی خاں (عثمانیہ) نے لکھا تھا جو شعراء کے تذکرہ ”مرقع سخن“ میں

(جلد اول) شائع ہوا تھا۔ لیکن وفات کے بعد بیسیوں مضامین اور مقالے لکھے گئے؛۔

یومِ صفی ۱۹۵۶ء میں منایا گیا۔ ”سب رس“ کا صفی نمبر (۱۹۵۶ء) میں جناب حمید الدین شاہ

کی ادارت میں چھپا۔ پھر کچھ بعد دیگرے تین مجموعہ ہائے کلام ”پراگندہ“ ”فردوسِ صفی“

اور ”گلزارِ صفی“ زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے۔ ناچیز نے ”سوانح عمری صفی اور نگِ آبادی“

۱۹۸۹ء میں مرتب و شائع کی۔ ”دبستانِ صفی“ کے نام لیوا جناب حاوی (جانشینِ صفی)

کے شاگرد جناب محبوب علی خاں انگریز نے وظیفہ حسن خدمت کے بعد جب میدانِ ادب میں قدم رکھا تو سب سے بازی لے گئے۔ صفی پر بڑی علمی و ادبی یادگار کتابیں مرتب و شائع کیں جو حسن ظاہری و باطنی میں آپ اپنا جواب ہیں۔ حسب ذیل کتابیں ان کے رشحاتِ قلم کی مرہونِ منت ہیں :

۱ : تلامذہ صفی اور نگ آبادی (۱۹۹۱ء)

۲ : اصلاحاتِ صفی اور نگ آبادی (۱۹۹۳ء)

۳ : خمریاتِ صفی اور نگ آبادی (۱۹۹۵ء)

۴ : انشائے صفی اور نگ آبادی (۱۹۹۶ء)

۵ : محاوراتِ صفی اور نگ آبادی (۱۹۹۸ء)

انگریز صاحب نے ستائش کی تمت اور صلہ کی پروا کیے بغیر اتنی اہم ادبی خدمت کی ہے، ہم جتنی بھی ستائش کریں کم ہے۔ کاش ! جناب صفی زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ جتنی کتابیں اُن پر لکھی گئیں، دکن کے کسی شاعر پر اتنا کام نہیں ہوا اور جس نوع کا یہ کام ہوا ہے، توقع ہے کہ آئندہ کام کرنے کے لیے بہت آسانیاں فراہم ہوں گی۔ شاید جناب صفی کو قدر و ادنیٰ بعد الموت کا اندازہ تھا تب ہی تو انھوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ

کسمپرسی ہے خاک ہونے تک

خاک ہوتے ہی کیمیا ہوں میں ! (صفی)

محمد نور الدین خاں

سید علی چوہدرہ - حیدر آباد

اشعار محاوراتِ صفی



اچھا بنوں، یہ شوق اگر ہے تو اے صفی
کچھ روز اچھے لوگوں کی توجو تیاں اٹھا

۴ شعر

ابھی صُورِ اسرافیل کی پُنج کیوں لگائی ہے
قیامت میرے نالوں سے اُٹھیا ان کی ٹھوک سے

ابھی تک تو یہی ہے جان جائے، اُن رہ جائے
نہیں معلوم پھر کیا ہونے والا ہے گھڑی بھر سے

وہ چھپر بھاڑ کر دیتا ہے سُنتے ہیں تو کب دگا
جب آنکھیں لگ گئیں چھت تو کیا اُمید چھپر سے

ہمارا دل ابھی کیا صاف ہے، پہلے بھی ایسا تھا
کیا یہ آپ نے اندازہ گھر کا گھر کے باہر سے

ردیف

ا

گُٹ گاروں پر سایہ دیکھ کر داماںِ رحمت کا
پیش سے اپنی خود مَنہ فق ہے خورشیدِ قیامت کا
ہمیں رو کا تو کس انداز سے رو کا گُٹا ہوں سے
بتا کے چاشنی کوثر کی، چسکا دے کے جنت کا
نہ چھوڑو زندگی بھراے صفی اتمِ بندگی اُس کی
وہ مالک دس گُٹا دیتا ہے بدلہ ہر اطاعت کا

اپنا دل ہمیں سار دوا کا نہ دُعا کا
احسان کسی کا نہیں احسانِ خدا کا

شیطان سے انسان ہی کس باتیں کم ہے
پُستلا وہ غضب کا تو یہ پُستلا ہے بلا کا
دیکھو اُنھیں رہ رہ کے ہری خاک اڑا کر
رُخ دیکھتے بیٹھے ہیں زمانے کی ہوا کا

نکلا تھا ابھی لفظِ رقیب اُن کی زباں سے
چھینک آئی مجھے بول اُٹھے، سچ نامِ خدا کا

پیوندِ زمیں کا نہ بنا دے کہیں مجھ کو
ہر نقش پہ دھوکا تیرے نقشِ کفِ پا کا

یارِ اِنِ وطن کو جو صفی و تدر نہیں ہے
میں لنگ نہیں، تنگ نہیں ملکِ خدا کا

جب نکلتا ہوں تیری محفل سے
مجھ کو رستہ نظر نہیں آتا

کیا لہو روئے اُن کی محفل میں
رنگِ جمت نظر نہیں آتا

سُن سُن کے اُس نے یوں مراقبہ بتا دیا
ٹکڑا کہیں مزے کا جو سُوجھا لگا دیا

اُن سے بھی میرے درد کا درماں نہ ہو سکا
بندہ کسی کا بندہ احساں نہ ہو سکا

مانا کہ مجھ سے دست و گریباں ہوا جنوں
میں تو کسی سے دست و گریباں نہ ہو سکا

بے وقت آڑے آگئی رونقِ پردوس کی
اُٹھا بھی سیرا گھر تو بیاہاں نہ ہو سکا

آفت کشانِ عشق کے دل ٹوٹ جائیں گے
میرا اخیرِ وقت جو آساں نہ ہو سکا

جھوٹا بھی وعدہ آپ صفی سے نہ کر کے
اتنا بھی اس غریب پہ احساں نہ ہو سکا

گھڑی بھر بھی جو ہم نے آپ کو کچھ ہر باں پایا
تو گویا ساری دُنیا مل گئی، سارا جہاں پایا

ہم اپنی وضع کیوں بدلیں کسی کے کہنے سُننے پر
صفی مختار ہے ہر آدمی اپنی طبیعت کا

دُنیا مثال دیتی ہے مجنوں کے عشق کی
دیوانہ اپنے کام میں کیا ہوشیار تھا

تیرا خیال کیا، ادھر آیا ادھر گیا
جیسے ہوا کے گھوڑے پہ کوئی سوار تھا

دو گھڑی اول نہیں وہ دو گھڑی کے بعد آئے
شامت آئی ہے جو میں پوچھوں سبب تاخیر کا

عشق کی غارت گری نے گھر کو غارت کر دیا
واہ کیا انجام نکلا حسرتِ تعمیر کا

رقیبوں کی نگاہوں کے تصدق
اُسے تاکا ہے میں نے جس کو تاکا

خاکسارانِ محبت کو کمی کیا عیش کی
ایک سایہ، دوسرا ٹیکا تری دیوار کا

کوثر و تسنیم کیا دونوں سے ہم جاتے ہے
اور وہ بھی ایک رس پی کر سڑے انگور کا

ہر حالت دی وحشت برسنے کی بستی ہے
انہیرایا اُجسالا، ایک ہے گورِ غربیاں کا

مثل مشہور ہے کہتے ہیں ”لینا اک نہ دینا دو!“
کدوں تم سے محبت میں نہیں دشمنِ دل و جاں کا

جنوں کے دن ہیں، جنگل میں لگی ہے لام کانٹوں کی
تبرک بٹنے والا ہے مرے جیبِ فِریباں کا

علاجِ دردِ دل کو ہم نے ہٹتی تک نہیں چھوڑی
غرض، صاحبِ غرض، مجنوں کو جس نے جو دیا بھانکا

تیرے گدا کو دونوں جہاں سے غرض نہیں
صورتِ فقیر کی ہے تو دلِ بادشاہ کا

وہ نہیں ہے تو ہوں میں اپنے میں
وہ جو ہوتا تو میں کہاں ہوتا

قسمتِ بُری ہے درنہ عُدو کیا فریب دے
مردود! اور وہ بھی تری بارگاہ کا!

مخلوق ہاتھ چومتی ہے اُن کے اے صفی
حیلہ تراش لیتے ہیں جو ہر گناہ کا

جس کو روا سمجھتے ہو تم اے جناب شیخ
مارا ہوا ہوں میں اُسی پہلی نگاہ کا

یہ ہے سب جان کر انجان بننا
سکھائے ورنہ اُن کو دوسرا کیا

کھلاتے ہو تم ضبطِ فعال پر
ذرا سوچو مرض کیا ہے دوا کیا

مرے نالے نہیں دبتے فلک سے
مگر بوڑھے بڑے کا سامنا کیا

اب تمہاری دوستی کو دونوں ہاتھوں سلام
جو ہوا اچھا ہوا جو کچھ کیا اچھا کیا

اُن کی ہماری بات زمانے پہ کھل گئی
افسوس ایک رنجشِ باہم نے کیا کیا

جو کچھ گزری کہیں گے سب سے
جب مُنہ میں زباں ہے تو ڈر کیا

صفی کی دیدہ وری آج کھل گئی اُن پر
بہت دماغ بڑا تھا، خدا نے خار کیا

جب ملے وہ کھینچے تھے ہی ملے
لطف ملنے کا اک ذرانہ ملا

کھو کے دل کو ہم اس قدر خوش ہیں
جیسے قارون کا خزانہ ملا

کوئی جھوٹ کی حد بھی ہے نامہ بر
ابھی کی ابھی میں گیا، آگیا

سمجھتا ہوں سب کچھ مگر دوستو
یہ دل ہے جدھر آگیا آگیا

خدا کی قسم کھاکے وہ ہنس پڑے
خدا کی قسم ہے مزہ آگیا

ابھی ذکر تھا جس کا یادش بخیر
وہی آگیا، آگیا، آگیا

کیا کہوں برتاؤ اس محفل میں کیا برتا گیا
شکر ہے جیسا گیا، دلیا وہاں سے آگیا

واقعی بارِ امانت کے لیے موزوں بھی ہوں
یا فقط سرکار کی بیگاری میں پکڑ آگیا

چل دیا وہ رشکِ مہ گھر اپنا سونا ہو گیا
پھر وہی اگلا اندھیرے کا اندھیرا ہو گیا

لے کے دل الزام دیتے ہو غنیمت ہے یہی
مال کا مول آگیا، اُدھے کا بدلا ہو گیا

اُن کو دیکھو وہ نظر آیا کیے ہر رنگ میں
مجھ کو دیکھو دیدہ و دانستہ اندھا ہو گیا

عشق میں اچھا بُرا کب سُوجھتا ہے اے صفی
اُس بلانے آگیا جس کو وہ اندھا ہو گیا

ترے گھر میں جو بھٹو لے سے کوئی خانہ خراب آیا
قیامت ہو گئی برپا، فلک ٹوٹا، عذاب آیا

ہمارا بھی شمار اب چاہئے والوں میں ہوتا ہے
بڑی گنتی تمہیں آئی بڑا تم کو حساب آیا

جسے چاہو اُسے چاہو تم اپنے دل کے مالک ہو
ہمارا نام لیکن بیچ میں کیوں بے سبب آیا

یہ دُنیا رنج کا گھر ہے تو دُنیا سے کدھر جانا
خدا مقدور دے تو دوستو کچھ کھا کے مر جانا

صفی لوگوں کی باتوں پر تم اُن سے کیوں بگڑ بیٹھے
سمجھ والوں کو زیل ہے کسی کی بات پر جانا

دل کہیں بھی نہیں ٹکتا تھا گھڑی بھرا پنا
ایسے وحشی کو کیا آپ زکیوں کو کر پنا

تجھ سے شکوہ نہ شکایت نہ رگلا ہے ساقی
جسامِ لُٹا نہیں، پھوٹا ہے مقدر اپنا

وہ جو مل جائے تو پھر پیشِ اعمال بھی ہو
دل ٹھکانے نہیں اے داوِ محشر اپنا

اپنی دہلیز کے سجدے بھی جو ہیں آپ کو با
گھر میں رکھ لیجئے اٹھو اے یہ پتھر اپنا

اُنہیں معلوم ہو گا حال جو تھارات بھر میرا
نہ تھے کچھ کالے کوسوں پر یہ گھران کا یہ گھر میرا

خلافِ واقعہ دُنیا کو کچھ باور کرانا ہے
نئے بن کر جواب دہ پوچھتے پھرتے ہیں گھر میرا

سنہالا ہوش، چاہا تم کو، رسوا ہو گیا سب میں
گیا دل، جان کھوئی ہے یہ قصہ مختصر میرا

اگر کچھ بھی نہیں، قسمت میں گردشِ پاؤں میں چڑ
تو پھر یہ کیا ہے مائے مائے پھرنا دُردِ میرا

جگر کے داغ، دل کے آبلے بڑھتے ہی جاتے ہیں
پھلے پھولے گا اب نخلِ تمنا کس قدر میرا

وہ چھوٹے، دل گیا، احباب روٹھے، ابرو کھوئی
نہیں معلوم پھر جینا ہے کس اُمید پر میرا

اُسے افسوس تو ہو گا یہ جاں اک روز جانی ہے
 بلا سے دیکھ لے کوئی کلیجہ، چپہ کر میرا
 بھلا، ہر دل عزیزی تو کہاں محسودِ عالم ہوں
 صفی اس دور میں تو عیب ہے گویا ہند میرا

نہیں ملتے تو کہہ دو اور بلنا ہے تو رمل جاؤ
 کوئی کب تک پھرے کوچہ پہ کوچہ در بدر اتنا
 تڑپ جانے لگا دل اب تو ہر اک شے کی خوبی پر
 نہ دے دشمن کے دشمن کو خدا ذوقِ نظر اتنا
 لٹیروں کی بن آئے مجھ کو شادی مرگ ہو جائے
 کہا تھا کس نے لے داتا، مرے دامن کو بھرا اتنا

کسی پیمیاں شکن نے رکتے رکتے بات تو کر لی
 جو وعدہ ہی پہ ہم اڑتے تو یہ کرتا نہ وہ کرتا
 اگر دشمن سے ایسے پیش آتے تو مزہ پاتے
 کروں کیا عرض جو برتاؤ مجھ سے اپنے برتا

وہ خود ملے تو بت کیا جواب دوں اک دل
 یہ عُذرِ لنگ ہے کوئی بھی رہنا نہ ہوا
 تمہارے واسطے کیا کیا ہیں کیا میں نے
 تمہارے واسطے کس کس سے میں بُرا نہ ہوا

کسی عالم میں ہو آس آدمی سے چھٹ نہیں سکتی
قیامت میں بھی شاید آس کا ہی آسرا ہوگا

دشمنوں کو روکیے بس طعنے اُن کے سُن چکا
میں بھی پھر ایسی سُناؤں گا کہ مُنہ پھر جائے گا

ہجرے میں شیخ تو آپ سے باہر ہو گیا
دیکھنا بے چارہ منبر سے کہیں گر جائے گا

یہ ترے حالی موالی لم دکا دیں گے تجھے
ایک دن مخلوق کی نظروں سے تو گر جائے گا

انسان کبھی خاطرِ اجاب نہ توڑے
ایسا جو کہے گا تو پشیمان ہے گا

جسے آنکھ ہو گی جو انسان ہو گا !
وہ سو جان سے تجھ پہ قربان ہو گا

جیسے گا ترے کل کے وعدے پہ وہ کیوں
گھڑی دو گھڑی کا جو مہمان ہو گا

نہ ہو گی جسے آدمی سے محبت
وہ لاکھوں میں اک آدمہ انسان ہو گا

کسی کی حسرتوں کا خون جب ہوتا ہے اے قاتل
تو سُرخی دوڑ جاتی ہے ترے رُخسار پر کیا کیا

صفی اپنا دلِ پرداغ جیسے بارغِ جنت ہے
عدو کھلتے ہیں خار، اس گلشنِ بے خار پر کیا کیا

بیٹھا جو میں تو اُس نے اٹھائیں قیامتیں
اٹھا تو میرا ہاتھ بکڑ کر بٹھا دیا

اب سینوں کو یہ خواہش ہے کوئی چاہے ہیں
یہ ہوا کیسی چلی، کیسا زمانہ آگیا

اُف رے طوفانِ محبت، لاکھ مار باتھ پاؤں
یہ جدھر مجھ کو بہاتا لے گیا، بہتا گیا

میں نے خوابِ ناز دیکھا وہ مجھے کیا دیکھتے
یعنی جو سویا سو کھویا اور جاگتا، پاگیا

بڑھ بول کیا ہوا جو بہارِ بہن ہوا
غینچہ کے منہ میں خاک یہ اُن کا دہن ہوا

ناداں تمہیں حضرت یوسف تو یہ نہیں
ہونے بھی دے جو چاکِ مر اُپیرِ جن ہوا

جب آگئی بہارِ تری یاد آگئی
ہر سالِ نو پہ تازہ یہ زخمِ کھن ہوا

آتے ہی موت دسین نکالا ہوا ہوا
پر دسین میرے واسطے میرا وطن ہوا

دُنیا ئے عاشقی کی ہوا تک نہیں لگی
کوڑے ہیں دونوں شیخ ہوا، برہن ہوا

دَم پر ہتی تو بھول گئے اپنی چوڑی
آئی اُجل تو نشہ ہستی ہرن ہوا

محفل کا حال کہہ نہ سکا میں حجاب سے
یہ پوچھنا تو مفت کرم داشتن ہوا

ہر خود غرض کو دوست سمجھتا رہا صفی
میرے لیے عذاب مرا حسن ظن ہوا

خدا رکھے مری دیوانگی میری محافظ ہے
جو ہوتی آستیں تو کوئی مارِ آستیں ہوتا

الہی مجھ کو دل دینے میں آخر مصلحت کیا تھی
اگر یہ چار اُنکل گوشت کا ٹکڑا نہیں ہوتا

معشوق کو بدنام ہی کرنا نہیں آتا
لوگوں کو بُرا کام بھی کرنا نہیں آتا

ہم ہیں کہ کبھی آنکھ پلائی نہیں جاتی
وہ ہے کہ کبھی ہاتھ پلایا نہیں جاتا

ناطافتی عشق سے یہ حال ہوا ہے
اب آپ کے دَم میں بھی تو آیا نہیں جاتا

دل اور آرزو نہ ہو کیا واہسیات ہے
میں ایسی لغوبات کا قائل نہیں رہا

وہ ہاتھ ہے صفی مجھے اک استیغاساپ
گردن میں دوست کے جو جمائل نہیں رہا

اچھا کیا جو ہم سے کسی کو بُرا کیا
بس دوستوں نے دوستی کا حق ادا کیا

سفید جھوٹ ہے یہ کوئی آشنا نہ ملا
ملا ضرور ہمارے مذاق کا نہ ملا

الچھ کے تم نے کچھ اس طرح ڈال دی گتھی
کسی غریب کو پھر بات کا سرا نہ ملا

جفا کرو کہ وفا تم پہ حرف آئے گا
مرے فسانے سے کوئی اگر فسانہ ملا

زمانہ علم و ہنر کا ہے سیکھ علم و ہنر
گیا وہ دور کہ ٹھوکر لگی خزانہ ملا

جو ہاں میں ہاں ملاتی تو وہ برس ہی پڑے
گھرک کے کہہ دیا، خاموش بس گلا نہ ملا

گلی گلی کی مقدّر نے خاک چھنوائی
ہمیں تو رنج بھی جی بھر کے ایک جا نہ ملا

روئیے اُس کی بد نصیبی پر
ڈھونڈنے پر جسے خدا نہ ملا

ہم نوا سب خزاں کے آتے ہی
ایسے پست ہوئے پرستانہ ملا

دامِ خیال زلفِ بتاں سے چھڑا لیا
کیا بال بال مجھ کو خدا نے بچا لیا

غرق ہے شعروشاعری میں صنفی
فسادہ تو نہیں ہے کوڑی کا

ملا ہے داغِ محبت تری محبت میں
سلامتی کا چرہ اغاں فقیر کو پہنچا

کی ہم آغوشی کی حسرتِ غیر نے
اڑے ہاتھوں آپ نے ہم کو لیا
میں نے کی تیسری شکایت تجھے باور آیا
واہ رے کان کے کچے مجھے ایسا جانا

دیکھیے آپ کا نہ منہ بگڑے
سیدھے منہ گفتگو کیا کرنا

ترک کرتے ہو کیوں صنفی سے سلام
یہ ہے سنتِ اسے ادا کرنا

شغلِ بادہ نہ ہو کیوں سب سے نرالا اپنا
دل بھرتا ہے جو خالی رہے پیالا اپنا

ہم اپنا اوجھ بھرتے ہیں ساتی
بھکاری بھیک میں ڈھونڈیں مرائی

کیا یہی ہے شرم تیرے بھولے پن میں تنہا
منہ پہ دونوں ہاتھ رکھ لینے سے پردا ہو گیا

میں وفا کرتا ہوں وہ مشہور ہوتے ہیں صفی
کام کرتا ہے سپاہی، نام ہے سرکار کا

معشوق سے زمانہ برے حق میں کم نہیں
اُس نے دیا جو زخم تو اس نے نمک بھرا

پوچھا جو صفی سے حال میں نے غم کا
چھ مجھ سے وہ بدگمان ایسا چمکا
ق

کہنے لگا کچھ کا کچھ، لگائی اینٹ کی سینٹ
ایا، ویا، فُلانا اُمکا ڈھمکا

نارکب تھی طور پر، پیر تو پڑا تھا نور کا
آپ اپنی آگ میں جلنا تھا جلنا طور کا

ہم تو یہ سمجھے تھے سُن کر قصہٴ اُصحابِ کہف
 ہے مثلِ نزدیک کا کُتّا نہ بھائی دُور کا
 سَرنگوں دِل نے کیا بارِ غم و غمِ عشق نے
 سچ ہے سَرینچا ہوا کتنا ہے ہر غم و غم کا
 اُن کے آتے ہی صفی نے رکھ دیا سِرپاؤں پر
 التجا، یارب اسے سجدہ کہو مَسرور کا

جنابِ دل یہ لب و لہجہ اور وہ وعدے
 خطا معاف خوش آمد ہوئی رُکھ نہ ہوا

کہتے ہیں جس کا کیا آتا ہے اُس کے سامنے
 میں نے جب نالہ کیا تو سامنے وہ آگیا

صورتیں تنکتے ہیں لیکن مُنہ سے کہہ سکتے نہیں
 اُن کی محفل پر ہے دھوکا عالمِ تصویر کا

چاہنے والے جو تھے بے موت آخر مر گئے
 کچھ تمہارا اور کچھ صدقہ تمہاری یاد کا

محبت میں تو ظالم صبر کا آنا ہی مشکل ہے
 جسے یہ چسپنا آئی اُس کو تم جانو کہ سب آیا

سب حال اُن پہ کھل گیا اُن سے اے صفی
 آنسو کا قطرہ قطرہ مرا راز دار تھا

نہ پوچھیں وہ مگر ہم بندگی کی خون چھوڑیں گے
کبھی کام آئے گا یہ سلسلہ صاحب سلامت کا

کسِ ستمگر کی نظر کھا گئی بیچارے کو
اچھا خاصا تھا صفی تو کوئی بیمار نہ تھا

ہمارے دانو ہمیں پرچلے جاتے ہیں
بھلا وہ اور کسی بات کا اثر لیتا

کرتا ہوں عرض اُن سے جو چلنے کی ہیں کہیں
کہتے ہیں کیا دماغ تمہارا بھی چل گیا

دشمن کے نقشِ پا کو جو دیتے ہیں گالیاں
پیٹو لکیر، سانپ تو آیا نکل گیا

اُردمان کیا گئے کہ گیا دل بھی عشق میں
یہ وہ جوا ہے جس میں ہمارا مُدل گیا

الہی! حضرتِ ناصح کی آئی مجھ کو آجائے
کرے گا کون میرے واسطے پھر دردِ سراپنا

دل ہمارا صاف اب اے بندہ پرور ہو گیا
آپ نے باور کرایا ہم کو باور ہو گیا

دیکھنا ہے آپ کا، اے بندہ پرور دیکھنا
دیکھنا، پھر اک نظر تیور چڑھا کر دیکھنا

سارے کس بل ہیں جوانی کے یہ ڈھلتی دھوپ ہے
ایک دن نیچا دکھا دے گمائیہ اُوپر دیکھنا

کچھ بھی سہی، صفی نے ہوس تو نکال لی
اس آئیں بائیں شائیں سے دیوان ہو گیا

اچھا بنوں، یہ شوق اگر ہے تو اے صفی!
کچھ روز اچھے لوگوں کی تُو جو تریاں اٹھا

آفتیں دھائیں غصہ برپا کیا

خیر تم نے جو کیا اچھا کیا

حُسن کو دیکھے کوئی کتنوں کی اُس نے جان لی
عشق سے پوچھے کوئی کتنے سلجھے کھا گیا

عاشق ہے تو چُپناں چُپیں کیا

مرا ہے تو اگر مگو کیا!

خدا سے دولت دُنیا صفی میں کیا مانگوں

غضب ہوا جو مرا کام بے دُعا نہ ہوا

ہم اُن کے سامنے مجبور ہو کے رو دیں گے

اگر زبان سے اک حرف بھی ادا نہ ہوا

وہ آئے اور ہو گئی تسکین اے صفی

اتنی سی بات کے لیے دل بے قرار تھا

قائم رہے داتا تری لکھ لٹ سرکار
دے بھی تو بھلا ہو جو نہ دے بھی تو بھلا

وہ خود ملے تو بہت کیا جواب دولہ دل
یہ عذر لنگ ہے، کوئی بھی رسنمانہ ہوا

سمجھا صفی کو آپ نے جو کچھ وہ سب غلط
”دنیا کا بد معاش“ زمانے کا چالیا

شاعری کر سکے جی رہا ہے صفی
عیب اپنا نظر نہیں آتا

مجھے بھی دیکھنا ہے کون کون آتا ہے پرسہ کو
مرے مرنے سے کچھ پہلے صفِ ماتم بچھا دینا

دوستوں سے یہ التجا ہے مری
معفرت کے لیے دُعا کرنا

غالب جو یگانہ کی نظریں نہ چچا اس پر ہے شاعروں میں کیوں شور مچا
حیرت کہ ہے کیا بات، ارے دیوانو اس چودھویں صدی میں بھیتجا ہے چچا

پھر کیوں رہے گا تم سے دشمن ٹیڑھا
کہتے ہو کہ ہے شاعری کا فن ٹیڑھا

پوری وہی گت ہے تمہاری تو صفی
اے نہیں ناچنا تو آنکھ ٹیڑھا

ب

ہر ایک کو نہ دیکھ محبت کی آنکھ سے
بے احتیاط کرتے ہیں اپنی نظرِ خراب

بندوں پر رحم چاہیے بندے خدا سے ڈر
ہوتا ہے ایک آن میں ظالم کا گھر خراب

ساتی ترے آتش کا مژہ اور رنگ اور
بھوٹی ہر ایک مُنہ کی نہ دے، مُنہ نہ مکر خراب

بیمارِ عشق کا کہیں اچھا ہوا بھی ہے
اوٹات اپنی کرتے ہیں کیوں چارہ گر خراب

سو سو جواب ہیں تری اک ایک بات کے
انجام پر نظر ہے جو بنتا ہوں لا جواب

دشمن بھی تیر ہو تو میں عاشق بنا رہوں
سب کچھ دیا جو تڑپے دیا، بات کا جواب

عاشقی میں کوئی استاد نہ کوئی شاگرد
طاقِ اس کام میں ہوتا ہے بشرِ آپ سے آپ

ذلیاقت ہے نہ صورت ہے نہ کچھ زور نہ زلہ
اینڈ تے پھرتے ہیں پھر کیوں یہ صفتی آپ ہی آپ

چُپ کی داد اللہ دیتا ہے دلِ بیمار چُپ
رہ چکے اک بار چُپ، دوبار چُپ، سو بار چُپ

یہ ترانت اس طرح چُپ سادھ لے کچھ ہوں نہ ہاں
ایک کے بعد دس سُنائے ہائے وہ طرّار چُپ

اچھا ہے یا بُرا ہے صفتی یہ نہ پوچھھیے
چُپ سادھ کر بنا تو ہے اپنا جواب آپ

ت

”ہے محبت کو حوصلہ لازم“
چھین لی آپ نے ہماری بات

نہیں رکھتے ذرا لگی لپٹی
کون جانے صفتی تمہاری بات

گئے جو اُن کے وہ دن سن تو یہ ہوا بدلی
نظر نہ آئی کسی خیر خواہ کی صورت

لے
کنواں

صفی ارادہ ہوا ہے جو ڈوب مرنے کا
دکھائی چاہنے آخر کو چاہنے کی صورت

سو نکھتا پھرتا ہوں بارغِ دہر کا اک ایک پھول
اس تمنائیں کہ آجائے کسی سے بونے دوست

لو چرخِ داغِ دل بھی اب تو ٹھنڈا ہو گیا
اور وہ سمجھے ہیں شاید گرم ہے پہلوئے دوست

سرفروشی کے مزے لیتا ہے ہر اک جاں نثار
واہ کیا بیٹھی پھری ہے خنجرِ سراپوئے دوست

آگے مرے آیا میری تقدیر کا لکھا
بس وقت اٹھایا قسمل ترکِ محبت

ساتی غطائے خاص پہ سب سے مجھ سے ادنیٰ
اور آج ہی نہیں مرے منہ کا مزا درست

لے
نیکواری اڑائی جھگڑا

کسی بات پر جب چھڑی حیمیں ہمیں
رہی ان سے دو دو پہر ایک بات

یہ عشق بھی ہے میرے پروردگارِ آفت
اک سر ہزار سودا، اک دل ہزار آفت

صفی کی طبیعت نے جب زور باندھا
غزل بن گئی داستانِ محبت

صُورَتِ پستیوں میں کئی سب صفی کی عُمر
باتیں تو ایسی جیسے کہ پچھے خُردِ اُپرست

حَالِ دِل اس سے ہم کہیں گے صفی
آگے پھر یا نفیب یا فِستمت

یہ اے حضرتِ عشق کیا طُور ہیں
ادھر ایک بات اور اُدھر ایک بات

شاید اُن کے بنائے بھی نہ بنے
اب کے بگڑے اگر ہماری بات

آپ کی بات سب میں رہ جائے
آپ رکھ لیں اگر ہماری بات

لوگ سب ہاں میں ہاں ملاتے ہیں
کاٹت کون ہے تمہاری بات

ط

دِل پُر درد پر دُنیا کی ہر چوٹ
اسے صدمے پہ صدمے چوٹ پر چوٹ

وہ کیوں آئیں مری باتوں کی زد میں
کہیں دانستہ کھاتا ہے بشرِ چوٹ

دکھا کرتا ہے اکشر دُکھ بھرا دل
لگا کرتی ہے اکشر چوٹ پر چوٹ
جوانی اور ایسی بھسروانی
نہ چل دے تم پہ کوئی بد نظر چوٹ
تبسم نے کسی کے مار ڈالا
قیامت ڈھا گئی یہ مختصر چوٹ

ث

نا صبح ذرا و ہاں بھی یہ قانون چھانٹنا
ہے منکر و نکیر سے زیر مزار بھٹ
ہو بخشنا تو اپنے مقابل سے بخشنے
کیا کر سکے بھلا یہ اطاعت گزار بخت

ج

زندہ ہوں ابھی کس لیے تکلیف اٹھائی
کل تک بھی جہاں آپ تھے رہنا تھا وہیں آج
اُترا ہوا سامنے ہے صفی ہونٹ خشک ہیں
کیوں بھائی خیریت سے تو ہے آپ کا مزاج

دیکھے تو کہاں دیکھے کوئی دیکھنے والا
اُن کی تو یہ حالت ہے کہیں کل تو کہیں آج !

ح

سہل ہوتی موت بھی مجھ کو محبت کی طرح
صاف ہوتا دوست کا دل بھی جو صورت کی طرح

ختم ہو جاتے جو عین و عشق کے راز و نیاز
شاعری بھی ختم ہو جاتی نبوت کی طرح

کچھ اسی کے دل سے پوچھو عمر کے دن کا ٹپنا
زندگی پڑ جائے جس کے سر مصیبت کی طرح

کس طرح دے دوں طرح میں اس طرح کو آصفی
یہ طرح دے کر تو ڈالی تُو نے آفت کی طرح

شب وصال نہ نکلی کچھ آرزو دل کی
وہ آئے اشک کی صورت گئے گماں کی طرح

خدا گواہ بقولِ جنابِ داغِ صفی
بگڑ گئی ہے عجب بے طرح جہاں کی طرح

خ

اُن کی نقیصیں اُتارتا ہے دل
ہے گستاخ بھی عجب گستاخ

د

جس دن سے نہیں دیدہ عَشَّاق میں اُنسو
بے کال کا ڈر کرتے ہیں پانی کی دُعا یاد
حاصل نہ ہوا عیش تو تکلیف میں گزری
تم یاد نہیں آئے تو آیا ہے خُرد ایا د
وعدہ شکنی کا جو گلہ میں نے کیا تھا
اسے وعدہ فراموش یہ کس طرح رہا یاد
میں کو نسا احسانِ ترا بھول گیا ہوں
لے دشمنِ اربابِ وفا کچھ نہ دلا یاد
ہم روئیں لہو اود اُدھر غید اُدھر عید
کیا اُنی ہے قربان ترے ہائے بقرعید
اس کان کے کچے کے عوض موت ہی آئے
اللہ مرے! نام اِسی کا ہے اگر عید

ہم دل کے منانے میں ہیں کیا عید منائیں
ہیں دید سے محروم، کہاں عید، کدھر عید

روتا ہوں نصیبوں کو ابھی اس قدر اتنا
پھر اس پہ ہنسائی جو مجھے چاہ پہر عید

کب تک منائیں اور منائیں تو کس قدر
اب خاک چھانتی ہی پھرے در بدر کی عید

اس قدر ہے اضطرابِ دل کہ اڑ جاتی ہے نیند
کس کو چین آتا ہے فرقت میں کسے آتی ہے نیند

تیری شرکاء کے تصور نے جگایا رات بھر
ہم سنا کرتے تھے کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے نیند

امیرے چاند عید کا روزہ حرام ہے
کس طرح تیری شکل کا بھوکا منائے عید

دنیا تمام آج ہے دُلہن بنی ہوئی
ایسے میں کاش میری بھی بگڑی بنا لے عید

ناخواندہ میہماں کی صفی قدر تا بہ کسے
آنے لگی ہے گھر میں میرے بے بلائے عید

اب تو یہ حال ہو گیا ہے صفی
تھکے کا خسرچ، چار کی آمد

ذ

خط وہ کیا، سادہ، جو ملفوف ہو اندر کاغذ
لے کے خالی کوئی کیا مار لے سر پر کاغذ

ہوں گئے گار مگر جمع ہے ساری خلقت
کھول ایسے میں اے داوڑِ محشر کاغذ

کیا لکھوں وصف یہ تیرا ہی کرم ہے ساقی
کا نہ پتا ہے جو مرے ہاتھ میں تھرتھر کاغذ

سب دنیا سے نہ کر خوف یہ روباہ خصال
شیر ہے شیر کے ٹکڑے کا لگا کر کاغذ

ہم نے جب اپنے اوائل کے نوشتے دیکھے
نکل آتے ہیں بڑے کام کے اکثر کاغذ

ہم نشین کا تب اعمال بنا ہے میرا
ہاتھ سے اُس کے نہیں چھوٹا دم بھر کاغذ

خود نہ آتیں کبھی دو حرف ہی لکھ کر بھجیں
نہیں فرصت کہ نہیں اُن کو مٹس کاغذ

میری تقدیر کا لکھنا نہ سِٹے تو نہ سِٹے
بُن نہ جائے تری دلیس کا پتھر کاغذ

اپنی تصویر میں تو خود کو کہاں دیکھے گا
 آئینہ آئینہ کاغذ ہے ستمگر کاغذ
 فکر دیواں میں پریشان ہوں دن رات صفی
 آج کل ہے مجھے چاندی کا ورق ہر کاغذ



کھایا ادعار زندگی مستعار پر
 لاکھوں نے نقد وار دیا اس ادعار پر
 ہے زندگی تو پائیں گے اک دن گلی مراد
 اب کی بہار پر نہیں اب کی بہار پر
 پروانہ کیا جلے گا محبت کی آگ میں
 اک جانور غریب بساط اس کی چار پر
 کردی تری آدائے کرم نے زبان بند
 امید وار رہ گئے دامن پسار کمر
 دستِ جنوں سے چھٹی اگر اپنی آستین
 دامن کی خیر مانگتے دامن پسار کمر
 مائے خوشی کے آنکھ سے آنسو نکل پڑے
 کتنا ہنسو گے مگر یہ بے اختیار پر

وہ اُن کا لطف وہ مری دیوانگی کہاں
اُٹھتی ہے ہوک سی تو مگر ہر بہار پر

مل کر گئے، مزاج ہی اُن کا نہیں ملا
تہو ر بگڑ گئے مری بگڑی سنوال کر

منصور جاتے جاتے یہ کہتے گئے صفی
جو حق کہے تو کھینچتے ہیں اُس کو دار پر

لاشہ بھی بارِ دوش ہے احباب پر صفی
گویا میں ایک اب بھی ہوں بھاری ہزار پر

تنقید کیا کروں نگہِ اشکبار پر
دریا کبھی چڑھا، کبھی ہے اُتار پر

اے دل نہ عقیدہ ہے دوا پر، نہ دعا پر
کمِ سخت تجھے چھوڑ دیا ہم نے خدا پر

کیا آہ سے ارمان نکلتے ہیں کسی کے
پُل باندھتے ہیں، باندھنے والے تو ہوا پر

تا کا تھا مجھے اور چھدا غمیر کا سینہ
اے واہ نکالے ہیں ترے تیرے کیا پر

دیکھیں ترے کوچے کی ذرا آب و ہوا بھی
چلتے ہیں جو پانی پر، جو اُڑتے ہیں ہوا پر

ایسے ترے عاشق کبھی دیکھے نہ سُنے تھے
پہرے تو بٹھائے نہیں نقشِ کفِ پا پر

وہ کون ہے، میں کون ہوں، کیا منہ سے نکالوں
منصور کو سُولی، ملی ایسی ہی خطا پر!

بس، اتنے گنہ گار ہیں بدنامِ محبت
آنکھیں تو ملی ہیں ترے نقشِ کفِ پا پر

اے دوست فراموش! یہ ہے حال ہمارا
آمین کہا کرتے ہیں، دشمن کی دُعا پر

تم سے تو صفی نے فقط رک ڈھونگ کیا ہے
کھاتا ہے نہ پیتا ہے، تو جیتا ہے ہوا پر

برے دشمن بھی رو دیتے ہیں اب تو مری جا پر
محبت کا بُرا ہو، خاک پڑ جائے محبت پر

کسی کی یاد آئی ہم کو اپنا دل بھی یاد آیا
بہت سچ ہے کہ ہر شے یاد آتی ہے ضرورت پر

کن آنکھوں سے کسی کے دیکھنے پر دل دیا ہم نے
یہ لعل بے بہا بیجا ہے اونی پونی قیمت پر

تری محفل کی باتیں اس طرح خوش ہوئے سنتا ہوں
کہ جیسے نیک بندے کان رکھیں ذکرِ جنت پر

ہماری خاک تم پر باد کر ڈالو، مگر دکھو
سنا کرتے ہیں ”امتی بھی نہیں ملتی ضرورت پر“

پیرہن کی بھی جھلک پڑتی ہے رُخساروں پر
واہ وا خوب لٹایا مجھے انگاروں پر

رفائے دوست پر ذی جان میں نے
بڑی لاگت لگی ہے اس دوا پر

ہوا مجھ کو بہت اکروہ یہ سمجھے
بشر کی زندگانی ہے ہوا پر

خدا کو یاد کرتے ہیں جو بندے
بڑا احسان کرتے ہیں خدا پر

شریکِ کار بھی نامح بھی ہم دم
خدا کی مار ایسے پاسا پر

پایا نہ اک ذرا بھی کبھی میکدے کا رنگ
بستر لگا کے دیکھ لیا خانقاہ پر

اترا گئے سے ہوتے ہیں تعریف پر
سرکار پھول جانے لگے واہ واہ پر

خمیر ہو چین نہیں پانوں کو اندر باہر
آج کس پر وہ خفا گھر میں ہیں کس پر باہر

آپ کی جس پہ ذرا سی خشکی ہوتی ہے
بزم کی بزم اُسے کہتی ہے باہر باہر

اپنی دہلیز سے کیا اُس نے اٹھایا ہم کو
کو دیا شہر سے گویا کئی پتھر باہر

کب سے ہیں کیوں ہیں ترے در پہ یہ معلوم تو کہ
لے غریبوں کی دُعا، بیٹھ گھڑی بھر باہر

دَم کے پڑنے سے صفی ٹوٹ گیا، بیٹھ گیا
درد ہو گا یہ کوئی ساٹھ کے اندر باہر

میری آہیں جو سنیں ڈانٹ کے اُس نے یہ کہا
”ہائے وائے ایسی جو کرنی ہے تجھے، کر باہر“

ہندیں ہے مرے اشعار کی تعریف صفی
راہ وائے تو وطن میں ہوں مقصدِ رہا ہر

تھہرا اٹھ کے جانا تھا کہ اٹھا درد بھی فوراً
بڑی تسکین تھی جب تک تمہارا ہاتھ تھا دل پر!

ہمیں سے بحث کرنے پر تلے ہیں حضرت واعظ
کوئی سمجھائے کس سے گفت و گو، پھر کن مسائل پر

کہاں کی رسم یہ کس ملک کا دستور ہے پیارے
چھڑک دیتے ہیں سائل کو برس پڑتے ہیں سائل پر

پھر گئے گزرتے دنوں کی یاد تڑپانے لگی
پڑ گئی پھر آنکھ بھولے سے تری تصویر پر

دل بھر گیا ہے دیکھ لی سائے جہاں کی سیر
نالے ہیں میرے اور ہے اب آسمان کی سیر

پایا ہے خصل بے ادبوں نے مزاج میں
سرکارِ پھر صفی نہ رہے کیوں ادب سے دور

اے دل غمِ عشق میں جلا کر
بے کارِ مباحث کچھ کیا کر

صفی کو چھیڑتے ہو کس لیے تم !
کہ بے دل آدمی دشمنِ برابر

محروم ہوں جواب سے تجھ کو پکار کر
پروردگار ! دور مرا خلفشار کر

بھٹی گئے ہیں عروج و زوال ایسے شیخ جی
میکش چڑھا کے خوش ہے تو نے گر اُتار کر

ہوتے ہیں بے گناہ صفی سارِ قانِ شعر
لکھتے ہیں جسِ تسلیم سے وہ ہوتا ہے "پارکر"

بھلا اُن سے کیا پیش چلتی کسی کی
بہت پانوں پھیلائے دل نے مچل کر

مہرِ ت دیدار کیا نکلی 'مرا یہ حال ہے
جس طرح اُٹھے کوئی خواب پریشاں دیکھ کر

لوگ میری شاعری پر دُجہ کرتے ہیں صافی!
ہاں مگر باور نہیں آتا ہے صورت دیکھ کر

ہم کو دُحشت ہو بھلا چاک گریبانی سے
اور پھر آپ کے وابستہ داماں ہو کر

دیکھیے کتنے پریشاںوں کے جی چھوٹ گئے
آزمائش نہ کیا کبھی پریشاں ہو کر

نہ بلانے کا گلہ ٹالنے بلوایا تھا!
دوستی دیکھ چکے دوست کا ہماں ہو کر

کم نہیں مرگِ مفاجات سے حُکمِ حاکم
زندگی سہل نہیں تابعِ فرماں ہو کر

اور پچھتاؤ گے لے لے گا جو کوئی تصویریہ
فکر اچھی نہیں انگشتِ بندہاں ہو کر

مُجرمِ بارگہِ حُسن ہوئے نادِمِ عشق!
ہم کہیں کے نہ رہے چاکِ گریباں ہو کر

دردِ عشاق کی برداشت کا اندازہ تھا
کھو دیا سب نے بھرم اپنا پریشاں ہو کر

مار ڈالا ہے جنھیں، وہ تو نہیں جی سکتے
اب جو زندہ ہیں، نہ مار، اُن کو پشیمیاں ہو کر

دوست نے آکے جو مرنے سے بچایا تو صفی
مر گیا اور بھی شرمندہ احساں ہو کر

تڑپا تو کہا ”خیر“ جو رویا تو کہا ”اور“ !
خیر اور تو جانے دو، یہ کیا ”خیر“ ہے کیا ”اور“ !

روتے کو ہنسانے کی، نکالی یہ ادا اور
ہر چیخ پہ کہتا ہے ذرا اور ذرا اور

ط
ل

جیب و داماں سے زیادہ دے کے حیراں کو دیا
میرے داتا نے نکالی اس طرح سائل سے چھڑ

بند مٹھی کا بھرم کھل جائے گا، منع ہو !
جی پہلنے کے لیے کرتے ہو کیوں سائل سے چھڑ

میں ہی کب تک واقعاتِ عاشقاں پوچھا کرو
کچھ نہ کچھ آخر کسی دن تو بھی اپنے دل سے چھڑ

سازگار آیا نہ سب کو نغمہ تارِ نفس
چھڑ اس کو چاہیے آسانی یا مشکل سے چھڑ

تو جہاں لہرا کر کبھی آتا ہے دریا کی طرف
مچھلیاں پانی سے، موجیں کرتی ہیں ساحل سے چھڑ

ز

خواب میں آتے، نہ آئی اُن کو آنے کی تمیز
خُب، ہے لیکن، یہ سوتے کو جگانے کی تمیز
دشمن اچھا ہے، جو اس سے دشمنی کا لطف آئے
دوست کیا، جس میں نہ ہو کچھ دوستانے کی تمیز

جانِ دلوں میں آپ پر اور آسماں کو لے مروں
یہ بھلا کیا جانے عاشق کو ستانے کی تمیز

دوست سے بدظن نہیں ہوں لیکن اس کو کیا کروں
غیر میں ہے غیر کو اپنا بنانے کی تمیز

آہیں سکتا کسی میں نازِ نینوں کا چلن
واہ آنے کا قرینہ، ہائے جانے کی تمیز

گر یہ عاشق کی نقلیں، اور پھر تم واہ وا
کس میں آئے گی، یہ روتے کو ہسانے کی تمیز

غنیچہ کیا، اُس کا تبسم کیا، تمہیں سوجھی ہے کیا
اُس میں کب ہے مسکرا کے، مُنہ چھیلانے کی تمیز

ایک میں بھی رنگ اہلِ حُسن کا دیکھا نہیں
اس گھرانے کا سلیقہ اس گھرانے کی تمیز

آج تم پہلے پہل ساقی بنے چائے بھی دو
دیکھتا ہے کون پیانا بڑھانے کی تمیز

مجمعِ احباب میں تم غیر بن جانے لگے
خوب پیدا کی محبت آزمانے کی تمیز

ہم نہ مانیں گے کہ مجنوں عقل سے بیگانہ تھا
کیا نہ تھی لیلیٰ کو دیوانے سیانے کی تمیز

فرقتِ ساقی میں اب تک زہر کھالیتا صفی
اُس کو پینے کا سلیقہ ہے نہ کھانے کی تمیز

ایمان ہے کہ ہے وہ مجھے جان سے عزیز
اے توبہ جہان ہوتی ہے ایمان سے عزیز

مال سے جان تو ہے جان سے ایمان عزیز
تو مجھے سب سے زیادہ ہے مری جان عزیز

عاشقی کے واسطے دل چاہیے
غم نہیں ہر ایک کے کھانے کی چیز

ہے ایک بلا اُس بُتِ طائر کا انداز
تسخیر کی تسخیر ہے، انداز کا انداز

س

دردِ دل تو ڈھونگ ہے اُس بے دغا بے جس کے پاس
 روئیں کس کے آگے تم؟ یادِ جا تیں کس کے پاس
 سیکڑوں بہروپ دیکھے سیکڑوں بہرِ پیے
 ہم تہمائے پاس آنے تک پھرے کس کس کے پاس
 غمِ غلط ہونا کہاں کا اور اِک غمِ مول لائے
 اس کو اپنے سے سوا پایا گئے ہم جس کے پاس
 کچھ ”نئے پل“ پر بھی گزرے، پاس کے دنِ صفتی
 ساری ساری رات ہم بیٹھے ہیں تارِ آفس کے پاس

ش

گھڑی بھر آج وہ مجھ سے رہا خوش
 خدا رکھے اُسے اس سے سوا خوش
 ”الہی! بخت تو بیدار باد“
 عددِ ناخوش رہیں اور آتشِ ناخوش
 جب تیری باہیں گلے کاھا رہوں
 کیوں زاہد کو حسان کی تلاش

خوش آئے مجھے بھی کر دیا خوش
جاؤ میں خوش، مرا خدا خوش

دل لے کے نہ کر مجھ کو مری جان فراموش
اچھے نہیں ہوتے کبھی احسان فراموش

صفی میری خوشی یا ناخوشی کیسا
رکھا جس حال میں اُس نے رہا خوش

ص

سب کچھ ہوں، بارِ خاطرِ احباب تو نہیں
رکھتا ہے ایک ایک مرا اضطرابِ خاص

ض

کیا کریں گے شیخ صاحب! زندگی بھر اعتراض
ہر کسی کی عیب چینی، ہر کسی پر اعتراض

آپ کا گھر سے نکلتا اک قیامت ہو گیا
ہو رہے ہیں آج کل اس پر تو گھر گھر اعتراض

رُس گنا بد لہ بلے دارِ غلط کو اے مالکِ برے
سات تو دنیا میں ہوں، عقبیٰ میں سترِ اعتراض

مشورہ تھا، رائے تھی، میری صلاح نیک تھی
 آپ سمجھے ہیں جسے اے بندہ پرور اعتراض
 آج کل مشہور ہونے کی یہی ترکیب ہے
 چھاپتے جائیں سخور پر سخور اعتراض
 نکتہ چینوں کی حمایت بڑھ رہی ہے خیر ہو
 وہ دن آتے ہیں کہ ہوں پیسے میں ستر اعتراض
 بس خدا کی ذات ہے بے عیب، ہم تم کی صافی
 آج تک ہوتے نہیں آئے ہیں کس پر اعتراض

ظ

نہ ہو جب کسی کو زباں کا لحاظ
 کہاں کی مروت کہاں کا لحاظ
 زبردست مائے تور و نے نہ دے
 زمین کیوں کرے آسماں کا لحاظ
 جوں کی محبت کی تو حسین ہے
 اگر دل میں ہے ایں دال کا لحاظ
 مجھے کون جھوٹا کہے گا صافی
 غزل میں بھی رکھا زباں کا لحاظ

رُخْسَارُ لَا يَدَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ
 اِس کا لحاظ وہ ہے جو قرآن کا لحاظ

ع

کیوں رکھوں بے نالہ وزاری عطا کی آرزو
 کام سب سے کم زیادہ سب سے اُجرت کی طمع

غ

تیرا مکان جو دل ہوا، تیری رگِ زردماغ
 ایسے لبت کو حق ہے، کمرے میں قدر دماغ

غبت اُڑ گئی ذرا جو مرے راز دار کی
 نادان دوست چاٹ گیا رات بھر دماغ

اپنی بجے، سُنے نہ کسی کی جو ہم نشین!
 ایسے دماغ والے کو کہتے ہیں خردماغ

واعظ کو بزم وعظ میں دیکھے ذرا کوئی
 یا تخت پر جلوں ہے یا عرش پر دماغ

مجھ سے زیادہ ہیں مرے غم خوار فیکر میں
 بیٹھے ہوئے لڑاتے ہیں شام و بحس دماغ

زہر ہے نہ زور، اور نہ کچھ اور ہے صفی
پھر کیوں یہ اے دماغ چلے، بیچ ادھر دماغ

ف

کردیں میری خطا حضورِ معاف
آپ ایسے نہیں، قصورِ معاف

آپ حالت سے میری کیا واقف
میں ہوں یا ہے مرا خدا واقف

دل گیا کھل گئیں صفی آنکھیں
اب تو اُس شوخ سے ہوا واقف

کیا ہو، کرو جو تم بھی مری اک خطا معاف
کرتا ہے سو گناہ بشر کے خدا معاف

ق

بے خودی اب وہ کہاں کی، وہ کہاں کی وحشت
اے صفی ہو گئے ہم اب تو پُرانے عاشق

یاد آئی تھی ایک پیاری بات
بات کرنے کے ہیں ہزار طریق

ک

تیری تسلیم ہے جو دوسروں سے پیسا کرتا ہوں
تیری صورت تو میں نکالتا تھا، اب تو مری صورت تک!

ادھر راحتِ طاعت عقل کی، کچھ ہوش پیدا کر
اُدھر دل کا تقاضہ روز کا، اک نوجو بصورت تک

کسی پر دل کا آنا، اور ایسا ٹوٹ کر آنا
رہے گی یادگار اپنی زمانے میں قیامت تک

تمہارے شعر پڑھ کر جی بہلتا ہے ہزاروں کا
صفی صاحبِ خدا زندہ رکھے تم کو قیامت تک

عمر بھر میں کُل گھڑی بھر کے لیے زندہ رہے
تیرے ملنے کی بندھی تھی اُس تھوڑی دیر تک

دوست کا دوست بھی ہے دوستِ مثلِ مشہور
اُس کے عشاق کشیدہ ہیں، مگر ایک سے ایک

کب تک دنیا کا روگ پالوں
میرے پروردگار، کب تک

پیری میں صفی یہ شوخ باتیں
بس چھوڑ بھی میرے یار کب تک

ہم کو آنسو پی کے باور آگیا
واقعی ہوتا ہے پانی سے نمک

گ

آداب اور ادب نہیں محفل میں آپ کی
لے ہیں مانگے مانگے کے گویا اُدھار لوگ

لوگوں سے اُٹھتی جاتی ہیں ایمان داریاں
دُنیا سے اُٹھتے جاتے ہیں ایمان دار لوگ

اب خُش و عاشقی کو ہمارا سلام ہے
اس کام کو بگاڑ چکے ہیں گنوار لوگ

دل کیا لگاؤں حُسنِ فر و شوں سے اے صفی
ہیں دُور ایسے تو باؤں ہزار لوگ

دی جان کوہِ کن نے گر آن تو نہ دی
خُزرے ہیں عاشقوں میں بھی کیا وضعِ لوگ

تم ہم جو مل کے بیٹھیں تو اُٹھتی ہیں انگلیاں
کیا مل کے بیٹھتے نہیں دُنیا میں چار لوگ

جس سے نہ بڑ سکے اُسے بدنام کر دیا ؛
کیا کیا تماشا کرتے ہیں دُنیا میں یار لوگ

حاسد ہیں اتفاق کے دشمن سخن تراش
اٹھیں ہزار تہمتیں بیٹھیں جو پارہ لوگ

جو بنا لیتا آپ کا سا مزاج
میں بھی دن بھر میں سو دلتا رنگ

کیوں بھوکا سینے ہو محفل میں
رنگ میں بھنگ ہو تو کیسا رنگ

ہم کو آتی نہیں سخن سازی
ظاہری دیکھتی ہے دنیا رنگ

ہے تقاضائے احتیاط یہی
سو میں بیٹھوں نہ تھوڑا پنا رنگ

وہ ہیں چہرہ دوستانِ رنگا رنگ
کیا جاؤں دہاں میں اپنا رنگ

شاعری کھیں ہو گئی ہے صنعتی
اچھے دُکے رہے ہیں فن کے لوگ

خلق و تہذیب میں خدائے کھے
ہیں غنیمت بہت دکن کے لوگ

وہ سیرِ شام سیر کو نکلتے
بڑنگی زرد آفتاب کا رنگ

چاند میں کوئی ہے اُن کی بات
نہ یہ بوٹا سا تہ نہ چہرا رنگ

ل

فیصلہ کر یا تو ارا مانِ دلِ مضطرب نکال
یا تو میں حاضر ہوں، بسم اللہ چلِ خنجر نکال

کون کہتا ہے کہ ارا مانِ دلِ مضطرب نکال
باتوں باتوں میں بگڑ جائیٹھے بیٹھے شر نکال

جرمِ عاشق دیکھ، خود کو دیکھ، اپنی شان دیکھ
جانے دے، انجان ہو جا، چشم پوشی کر، نکال

اے صنفی، پھر اس کی محفل کی تمنا ہے مجھے
یاد ہے وہ، اس کو باہر کر، اے باہر نکال

میں یہ کہتا ہوں کہ نام اُس بے وفا کا اپنے لوں
دل یہ کہتا ہے کہ اُس کا تذکرہ اکشر نکال

بے دلی کی زندگی سے جی بہت اکتا گیا
دیکھ فطالم! غیر کا غصہ نہ تو ہم پر نکال

تجھ کو گننے کی ضرورت کیسا ہے اب میرے قصو
ظلم تو ہے، ایسے کے دس سات کے ستر نکال

کچھ ہول سے اڑ گئے، کچھ دھوپ سے مر جھا گئے
سب کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے بری تربت کے پھول

اک زمانہ تھا حسیں اپنے گلے کا ہار تھے
ہم نے بھی پہنے کبھی انسان کی صورت کے پھول

ہم اپنی جان کیوں دیں دوسروں پر
کہاں ہے دوسرا لینے کے قابل

یہ تو نہ کہیے ”ہم نے تمہارا لیا ہے کیا؟“
بندہ نواز! یاد دہانی معاف، دل!

ہے میرا بال بال گنہگار اے صفی!
اتنے گنہ کیسے کہ نہیں اتنے سر میں بال

کون کرتا ہے دفائے ہوش کے ناخن صفی
ساری دُنیا اپنے مطلب کی ہے بھاتی آج کل

وہ ہیں دلِ بسر بنالینے کے قابل
کلجے سے لگا لینے کے قابل

م

دُنیا میں کیسے کیسے تماشے کے لوگ ہیں
اب بہ خیر اُڑاتی کہ اُس سے خفا ہیں ہم

اُس پر مٹے ہوئے ہیں، مٹانا ہے جو صفی
دشمن کی گار ہے ہیں بڑے خوش نوا ہیں ہم

گھر سے نکلے تھے تم کو دیکھا
معلوم نہیں کدھر گئے ہم

رُسوائی چڑھے نہ اور جھبندے
اس کے دل سے اتر گئے ہم

بے تابئی دل، رتبے تصدق
پہلے پہلے تو ڈر گئے ہم

اُمید بندھی تو جان نکلی
جینے کے دنوں میں مر گئے ہم

دردِ دل سے ہم اگر مرتے ہیں مرنے دو ہیں
کیا غرض، کیا واسطہ، کیا تم کو غم خواری سے کام

وہ جو لیتا ہے تو لے اپنی ستم گاری سے کام
ہم کو فعلوں سے غرض کیا، یار کی یاری سے کام

بات بگڑی، جب بنائی بات اُن کے روبرو
کام نکلا جب نکالا ناز برداری سے کام

اے صفی! ملتی حکومت، گر محبت کے عوض
پھر تو لیتے خط کے بدلے نیم سرکاری سے کام

اللہ دشمنوں کی نظر سے اُسے بچاتے
رُسوا ہوئے جنابِ صفی جس نظر سے ہم

مٹ چکے داغ ہاتے بدنامی
آج کل گن گن رہے ہیں تارے ہم

اے صفی ہم سے اُن کو کام نہیں
ہو گئے اِس قدر نہ کارے ہم

نکد اب کنارِ آجوا
لگ چکے گور کے کنارے ہم

دِن قریب آگئے ہیں مرنے کے
پھر رہے ہیں جو مائے مائے ہم

ہیں جب سے ہم خیالِ دلِ مبتلا کے ہم
جاتے ہیں اُس کے سامنے سے نہ چھپا کے ہم

تکلیف ہو کسی کو گوارا نہیں ہمیں
روتے ہیں غیر کو بھی گلے سے لگا کے ہم

غمِ دوست کا جو کھائیں تو اظہار ہو مدام
ہو روپیہ تو آج مُک جائیں کھاکے ہم

اپنے پہ ناز تھا جو اُٹھاتے تھے اُس کے نام
اے توبہ کوئی خوگرِ جور و جفا ہیں ہم

ن

آپ کا مُنہ ہے ورنہ ہم مُنتے
دشمنِ بد شعار کی باتیں

صفی داغِ محبت میری برسوں کی کمائی ہے
اسے پالا ہے سینے سے لگا کر مہرباں برسوں

عاجزی، مُنت، خوشامد پر بھی وہ چپ ہی رہے
مُنہ سے بول اُٹھتا اگر پڑتے کسی پتھر کے پاؤں

جوانی نہیں، بِنِ سُنورنے کے دِن
بھجکے کی راتیں ہیں، ڈرنے کے دِن

تمہارے نہ ملنے سے کیا ہو گیا
گُور ہی رہے ہیں گزرنے کے دِن

غنیمت ہے صاحبِ سلامت تیری
رہے اب کہاں بات کر نچے کے دِن

جوانی گئی اور لے کر گئی
کسی بات سے عجیب نہ بھرنے کے دِن

بری چار لوگوں میں رہ جائے بات
مردوں تیرے دل سے اُترنے کے دِن

بُڑھاپے میں بیکار ہیں شوقِ ذوق
یہ ہیں اللہ اللہ کرنے کے دن

صفی اب زمانہ ہے نازک بہت
یہ ہیں اپنے سلتے سے ڈرنے کے دن

اے صفی بس اب تو میں نے ٹھان لی ہے ایک بات
سب کی سُننے کو تو سُن لوں، کام کرنے کا کروں

مُنہ ہی مُنہ میں شکوہ ہائے عاشقِ دلِ خستہ کیوں
بات سچی ہے تو پھر فرمائیے، آہستہ کیوں

محبت کیا نبھے آپس میں جب ایسی گرفتیں ہوں
ہنسے کیوں، آہ کیوں کھینچی، یہ ایسا کیوں وہ ایسا کیوں

چوٹیں جو کھائیں دل پہ محبت میں کیا کہوں
تھھر پڑے ہیں کیا، مری قسمت میں کیا کہوں

پتہ اکھڑ گیا تو مرادِ دل دھڑک گیا
کیا کیا مزے تھے ہائے طبیعت میں کیا کہوں

نالہ کہاں، زمین کہاں، آسماں کہاں
میں نے تمہاری دھواک بٹھادی کہاں کہاں

ہم گردِ دشوں میں ایک — بگولہ بنے ہے
بگڑی ہوا تو خاک اُڑاتی کہاں کہاں!

دہ کہہ کے پھوٹ جانے کو تھے ”تم وہاں ملو“
چوکنے ہو گئے جو یہ پوچھا ”وہاں کہاں“

کیا بات ناگوار ہوئی، خیریت تو ہے
آخر یہ بیٹھے بیٹھے کہاں، مہرباں کہاں

ہے صفی کے ساتھ یہ اُردو، یہ اندازِ غزل
حاصلو! سننے میں پھر آئیں گی یہ باتیں کہاں

رعنائیاں حُسن پہ اُن کی نظر کہاں
اپنی بسنت کی ابھی اُن کو خبر کہاں

پھر تری چاہ کے ارمان کہاں سے لاؤں
اپنے کھوئے ہوئے اُدساں کہاں سے لاؤں

یہ پراگندہ ہے جو کچھ بھی غنیمت ہے صفی
میں غریب آدمی دیوان کہاں سے لاؤں

کون دیتا نہیں آزار کا کچھ کال نہیں
دلِ سلامت ہے تو ہے تجھ سے ستمگر لاکھوں

ہم جسے دیکھ کے جیتے ہیں خدا کی قدرت
جی بہت خوش ہے کہ مرتے ہیں اُسی پر لاکھوں

دہ کیا پھوٹ کے نکلی ہے جوانی تیری
ہر نظر تیر چلا دیتی ہے دل پر لاکھوں

ارمان دید جان کا جنجال ہو گیا
دن بھر کہیں خراب رہے رات بھر کہیں

گو تھا دروغِ مصلحت آمیز و صفِ غیر
ان کا عقیدہ آئے نہ اس بات پر کہیں

تو اکھجڑا رہا ہے تو اُس بزم میں چلیں
کیا شامت آئی۔ ہے جو کریں ہم سفر کہیں

نکلے صفی کو تیرا نمک چھوٹ چھوٹ کر
دیکھی ہے کوئی پیار کی صورت مگر کہیں

بدظنی دل میں، حسد دل میں، تمنا دل میں
گھاڑے شوق سے بھر لیتے ہیں کیا کیا دل میں

ہر تمنا میں مری ایک نہ اک عیب نکال
ہاں مرست و ست نہ رہ جائے تمنا دل میں

اُسے چین آگیا بے چین کر کے ہم کو محفل میں
ہمارا دل جلایا جب کہیں ٹھنڈک پڑی دل میں

ہمسرا آتا تو ایسا بھیک کا مکڑا یہ کیوں کھاتا
خدا کے واسطے حسنِ طلب ڈھونڈو نہ سائل میں

بہہ گئے آنکھ سے آنسو بھی خوشی کے مارے
تم کو دیکھا تو ہوا حشر ہی برپا دل میں

اور کے ساتھ کیا چلو گے چال
یہ ہمیں تھے جو آگئے دُم میں

مرے رونے سے اُس نے اُرزو پہچان لی میری
بہت ہو یا نہ ہو آتا ہے دل کا رنگ اُنسو میں

ہم آوارہ سہمی، لسیکن اُنھیں بھی کم نہیں پایا
رہا کرتے ہیں جو چونٹھ گھڑی اُنھوں پہر گھر میں

کہتے ہیں لوگ موت سے بدتر ہے غلطاً
میری تمام عمر کئی انظفاریں

میں نے بھی توبہ توڑ دی اپنی تو کیا ہوا
دُنیا کے لوگ کیا نہیں کرتے بہار میں

ساحل پر رہ کے ڈوبنے والوں پہ پھبتیاں
کس بل ہے پیر نے کا تو پڑ بنجہ دار میں

صفی دُنیا میں جینے کا مزہ ہم نے نہیں پایا
کہ اپنی عمر کچھ غفلت میں گزری کچھ ندامت میں

اے صفی اللہ جانے یہ غزل کیسی رہی
مُنہ کو جو آتا گیا کہتے گئے ہم جوش میں

یہ دُنیا خود غرض ہے حلوے مانڈے سے اُٹھ
مرے کوئی تو مُردہ جاتے دوزخ میں کہ جنت میں

تہا لے سنگِ در میں لعلِ ہیرے میں تو ہم کو کیا
پڑے بھولی میں پتھر اے خطہ جس کی نیت میں

میں اُس بندہ نواز و بندہ پرور کے تصدق ہو
جو تجھ کو لعش میں تو یاد آتا ہے مُصیبت میں

وہ جو سمجھیں اور کچھ تو بد ظنی کا کیا علاج
راز کی اک بات کہنی تھی مجھے تو کان میں

زندگی کا کیا بھروسہ لے صفی
آج گھر میں ہیں تو کل ہیں گور میں

اُن کے مُنہ کی کالیاں کھانے لگے
وہ جو کچھ کھاتے نہ تھے بازار میں

قیامت ڈھا رہے ہیں یہ پری چہرہ زمانے میں
مگر کیا دخل بندوں کو خدا کے کارخانے میں

کیوں نا اُمید ہے دلِ اُمیدوار و وصل
کیا جانے آئے غیب سے کل کیا ظہور میں

صفی مل کر کسی سے ہم نے ایسی زک اُٹھائی ہے
کہ اب جاتے نہیں غیرت کے مارے ملنے والوں میں

اے صفی دل میں ہے کچھ تیری زباں پر کچھ ہے
کیا کہیں گے تجھے سب اپنے پرانے دل میں

رحم کر اے گریہ بے اختیار
آنکھ نیچی ہے ہماری چار میں

بڑھی جاتی ہیں روزانہ ہزاروں حسرتیں دل میں
ہری مشکل کُشائی کر کے ڈالا تم نے مشکل میں

وہ جیسا سب سے سنا ہے مجھے ویسا سمجھتا ہے
مرے دل میں ہے کیا کچھ گھس کے دیکھا تو نہیں دل میں

صفی استاد بنا ہے تو استادِ عالم کی
اٹھا دُجوتیاں، تازہ کرو حُقّے، بھرو چلیں

وہ بے خودی عشق نہ پائے گلے صفی
پیتا تو کیا ہے دُوب کے مرجا شراب میں

چھوڑ میری مُصیبتوں کا خیال
تو بھی پڑ جائے گا مُصیبت میں

طالب دید کو نظر آج
دیکھ دیدے تو لگ گئے چھت میں

میری نقلیں اُتارتے ہیں آپ
کوئی دیکھے جو ایسی حالت میں !

عمید کا چاند آپ نے دیکھا
لگ گئے چار چاند شہرت میں

پس وعدہ وہ مُکراتے ہیں
کچھ نہ کچھ ہے فتورِ نیت میں

رکھ لیا اُس کو کیلجے میں کہ میں نے کھالیا
کیا کوئی سُرخاب کا پر تھا تہائے تیر میں

ہرے ناصح کی ہر اک بات قانونِ محبت ہے
لگائی ہوگی کیا کیا آگِ حضرت نے جوانی میں

صفی کیوں شاعروں میں نام لکھوایا ہے سنتے ہیں
زباں گدی سے کھینچی جائے گی ان کی قیامت میں

جنابِ دل، مبارک تم کو یہ زمینی سفر گھر میں
خیالی گھوڑے دوڑایا کرو، بس بیٹھ کر گھر میں

ہمیں عقیقی کا دھڑکا اور دُنیا بھر کی فکریں ہیں
اُدھر آدھے ہیں گویا گور میں آدھے ادھر گھر میں

پہچان لیتے ہیں تجھے ہر رنگِ رُوپ میں
کیا ہم نے اپنے بال پکڑے ہیں دھوپ میں

ہے فکرِ آبروئے دل و داغِ ہلّے دل
ڈوبا ہوا ہوں، ملکی و مالی اُمور میں

گناہ گار ہوں کرتا ہوں پانویں پانی
خجالت انہی ہٹاتا ہوں نہ تما ساز نہیں

اُن کی باتیں تو بہت صاف ہوا کرتی ہیں
سُننے والوں کی خطبہ ہے ہم تن گوش نہیں

کچھ نہ ہو کاتبِ امسال کا دھڑکا تو ہے
ایک انسان بھی دُنیا میں سُبکدوش نہیں

سے سے زبان اور کوئی التجا نہیں
سُن! ماما، بس اور کوئی مدعا نہیں

بکہ لو کہ اُن کا راز ہوں میں رازداں نہیں
اتنی بڑی تو میرے بھی مُنہ میں زباں نہیں

مر مٹنے والے نام پہ ترے کہاں نہیں
اللہ والے لوگوں سے خالی جہاں نہیں

نالے مرے ہوا پہ! دُعا شیخ کی قبول!
کیا اُس کے ہاتھ ہیں تو مجھے بھی زباں نہیں

دُنیا کے کاروبار سے کیا واسطہ مجھے
لے لے نفَس! یہاں ہوں مگردل یہاں نہیں

لے یادِ رفتگان! تجھے جنت نصیب ہو
اب ہم میں قابلیتِ ضبطِ نفساں نہیں

یا یہ کہ، جھوٹ موٹ ہیں لوگوں کے التفات
یا یہ کہ، اک ہیں پہ کوئی ہمسرہاں نہیں

اک عمر جستجوئے وفا میں گزر گئی
ہم جس کا نام سنتے ہیں اُس کا نشان نہیں

ہے دوست مہربان تو دشمن بھی مہرباں
وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

تعریف اور پھر مرے پروردگار کی
منہ میں زباں نہیں، مرے منہ میں زباں نہیں

ناقدردانیوں سے نرا سنا نہ ہو صفی
کوئی نہیں تو کیا، ترے اللہ میاں نہیں

یہ دل آہ و زاری سے رکتا نہیں
غلط ہے، اگر جتا برستا نہیں

میں بُرے سے بُرا بھی ہوں لیکن
تم کو اپنے کہے کی لاج نہیں

آپ وہی مجھے سمجھتے ہیں
وہم کا تو کوئی حلاج نہیں

یہ کس مرض کی دوا ہیں بڑی بڑی انھیں
ہماری قدر تو کچھ بھی تری نظر میں نہیں

اے صفی بے چین کیوں ہو اس قدر
تاکملاہ کے زخم تو کھائے نہیں

پیرِ مُغال جو تُو ہے سلامت تو کیا نہیں
ممنون ہوں ضرور مگر دل بکھرا نہیں

آزارِ عشق جائے یہ ممکن نہیں صافی
سب جانتے ہیں موت کی کوئی دوا نہیں

ذمہ داری دل کی لے کر عمر بھر رونا نہیں
ہاتھ کا دینا مگر ضامن کبھی ہونا نہیں

ہر کسی کی ہے شکایت ہر کسی کا ہے گلہ
اک تمہیں اچھے ہو دُنیا میں کوئی اچھا نہیں

کیا تجھی کو اے دلِ آشفۃ خوشحالی نہیں
فکر سے دُنیا میں کوئی آدمی خالی نہیں

کسی پر کروں غور کیا اے صافی
مجھے اپنے جھگڑوں سے فرصت نہیں

اُس کا گردیدہ ہے اُس کی شکل کا جھوکا دل
ایسا نادیدہ تو ہم نے آج تک دیکھا نہیں

نہ چھوڑو سلامت روی اے صافی
زمانے کی رفتار اچھی نہیں

سوج لوں تو دُوں ابھی خط کا جواب
سُر کھینچنے کی مجھے فرصت نہیں

اے صفی میری غزل سُن کے یہ ارشاد ہوا
بھوٹ کہنے سے ترے مُنہ پہ ذرا نور نہیں

سب کو پسند کیوں ہو صفی دِل کے آبلے
فولاد کے چُنے ہیں کوئی دِل لگی نہیں

کیا کہیں آپ سے ہے حال صفی کا کیسا
مافس پہ آس ہے آثار تو جیتنے کے نہیں

کب ترے لب پر بھلا نالے نہیں
اے صفی جینے کے یہ چالے نہیں

طالبِ قدر کیوں ہوے ہو صفی
اِس سے نیچا کوئی مقام نہیں

دُنیا کے رہنے والوں پہ میرا بھرم کھلے
ایسا گناہ گار خدایا نہیں ہوں میں

کیوں بارگاہِ عشق میں اتنا ذلیل ہوں
سرکار کے خلاف رعایا نہیں ہوں میں

ایسی ہی بے رُخی ہے تو آداب لیجیے
معہف میں بے بلائے تو آیا نہیں ہوں میں

کیا ہوں جو اُن کا نقشِ پا ہوں میں
ٹھوکروں میں پڑا ہوں میں

ایک نادان دوست کی خاطر
دشمنوں سے ملا ہوا ہوں میں

گس مپڑ سی ہے خاک ہونے تک
خاک ہوتے ہی کیسیا ہوں میں

مسلکِ عام سے جدا ہوں میں
کچھ تو رستے پر آگیا ہوں میں

دلِ نادان مجھے ہاتھوں میں لیے پھرتا ہے
اس پھلتے ہوئے بچے کا کھلونا میں ہوں

فرتے اٹھیں گے نہ اٹھوایے اللہ مجھے
ہوں تو دو پر ہی مگر آپ کا پردا میں ہوں

دلِ مرحوم کے اوصافِ محبت سن لو
ایک مرنے پہ جو روتا ہے وہ زندا میں ہوں

خاکساری تو صفی ہی کے لیے زیبا ہے
آپ اللہ نہ فرمایا ایسا میں ہوں

بے غرض دنیا میں جینا بھی ہے بدنامی کا گھر
لوگ مجھ کو یہ سمجھتے ہیں کہ میں مغرور ہوں

دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ
میں اپنے لیے بھی دوسرا ہوں

حُسنِ والو مجھے اللہ سلامت رکھے
جی بہلتا ہے تمہارا وہ تماشا میں ہوں

نیرے غمزدں سے ہم ہوش و خرد کہا رہیٹھے ہیں
بہت دن سے کرا اُما کاتبیں بیکار رہیٹھے ہیں

میرے مالک کسی بندے سے کبھی کام نہ ڈال
ایک اک کر کے سب احباب سرک جاتے ہیں

آپ کے دل میں گھر صفتی کا کیوں
ایسے خانہ خراب ہوتے ہیں

آخر اُن سے مجھے لگا مارا
ہم نشیں بھی عجیب آدمی ہیں

اُن کے قدموں میں رہنے والے
دُنیا کو لات مارتے ہیں

سُنا شعار تم، جب دل صفتی صاحب کا جلتا ہے
کہ جتنی آگ لگتی ہے غزل خواں ہوتے جاتے ہیں

چار لوگوں کے دکھانے کو تو اخلاق سے مل
اور کچھ بھی نہیں دُنیا میں بھرم دیکھتے ہیں

آپ سے کام کہیں رہیے، ہمیں ٹوہ سے کیا
ہم قدم دیکھتے ہیں، نقش قدم دیکھتے ہیں

شَل ہمے دستِ طلب بھول گئے حرفِ سوال
 آج ہم حوصلہ اہلِ کرم دیکھتے ہیں
 جگہ کے داغِ کبتِ مک اور میں کیسا چھپاؤں گا
 یہ انگڑے ”چراغِ زیرِ داماں“ ہوتے جاتے ہیں

نرا کیسا، نہ دیں گے دھکیاں ترکِ محبت میں
 ڈراتے ہیں صفی کو اپنے سائے سے جوڑتے ہیں
 کسی کے دل سے ہم اترے تو سمجھو پڑھ بھی جائیں گے
 کوں کیا فکر دریا بھی تو چڑھتے ہیں اترتے ہیں

تجھ کو رہ رہ کے آزمانا کیسا
 ہم تو تقدیرِ آزماتے ہیں

کون گائے تری غزل کو صفی
 جس کا کھاتے ہیں اُس کی گاتے ہیں

مجھے وہ عیش میں بھولے ہیں کیا بساطِ مری
 خوشی میں لوگ خدا کو بھی بھول جاتے ہیں

صفی ہماری جگہ کیا ہے ان کی محفل میں
 ہزار آتے ہیں ایسے ہزار جاتے ہیں

علاجِ دردِ دل کیا کر رہے ہیں
 کیا ہے اپنے ہم بھر رہے ہیں

ہماری بے کسی پر ہنسنے والو
بُڑے دن عمر بھر کس پر رہے ہیں

خدا جانے صفی منشا خدا کا
ہمارے کام تو ہم کر رہے ہیں

اُسے کیا رات دن جو طالبِ دیدار پھرتے ہیں
فرض ہے تو، غرض کے واسطے سوا پھرتے ہیں

اُسے ہم مانتے ہیں، تو زمانے بھر سے اچھا ہے
مگر اچھے بھی اپنے قول سے لے یار پھرتے ہیں

تمہیں افسوس کیوں ہے عاشقوں کی کوچہ گردی پر
پھرتا ہے تقدّر، یہ خدائی خوار پھرتے ہیں

وہ دل کی آرزو اب ہے نہ اُس کی جستجو اب ہے
ہائے پاؤں میں چلکے ہے ہم بے کار پھرتے ہیں

کسی کافر کا گھر تھا یا نہیں معلوم جنت تھی
ابھی تک میری آنکھوں میں درو دیوار پھرتے ہیں

صفی کو تم نے تو کوئی بُرا پہنچا ہوا سمجھا
اجی رہنے بھی دو، ایسے بہت سکار پھرتے ہیں

تیرے دیوانے کس سے ڈرتے ہیں

سب کی سُننے ہیں اپنی کرتے ہیں

اب یہ سُوجھی ہے دل کو یادِ حشت
بیٹھے بیٹھے بھی پاؤں بھرتے ہیں

دوستوں سے تو ناک میں دم ہے
پوچھتے ہیں کہ کس پہ مرتے ہیں

چارہ سازوں سے بس خدا سمجھے
مرنے دیتے ہیں یہ نہ مرتے ہیں

عشق میں جہان نیچے والے
سولہ سو کے ہزار کرتے ہیں

مجھ اکیلے کی رات کٹ جائے
یوں تو باتوں میں دن گزرتے ہیں

یہ پری زاد، پری چہرہ، پری وِش رفتہ
اپنی والی پہ جب آتے ہیں بلا ہوتے ہیں

جان کی پائے اماں تو یہ صفی عرض کرے
بے سبب بھی کبھی سرکارِ خفا ہوتے ہیں

سب تڑپتے ہیں بہ قدرِ خلش زخمِ جگر
حُسن کے حقِ نمک کس سے ادا ہوتے ہیں

جو اُن کا کان بھرتے ہیں ہمارا زخم کیوں بھرتے
بیشِ مشو ہے سب لوگ بھرتوں ہی کو بھرتے ہیں

کہاں وہ درد جو ہوتا ہے اہل اللہ کے دل میں
کہاں وہ نالہ جس سے عرش کے پائے ادھرتے ہیں

مڑہ کیسا نہ دیں گی دھکیاں ترکِ محبت کی
ڈراتے ہیں صفی کو اپنے سائے سے جوڑتے ہیں

ہائے اے رشکِ عدو تو کہیں غارت ہو جائے
رات بھر کیسے بُرے خواب نظر آتے ہیں

کسی کو کوئی کیا دے گا کسی سے کوئی کیا لے گا
صفی ہم تو حسابِ دوستانِ درِ دل سمجھتے ہیں

حکومت کے الفاظ لکھے ہیں ہم کو
یہ نامے ہیں یا نیم سرکاریاں ہیں

صفی اور دل دے کسی آدمی کو
اجی سب یہ حضرت کی مکاریاں ہیں

صفی کو سمجھتے ہیں کیا آپ لوگ
یہ حضرت پرانے گنہگار ہیں

آپ کہتے ہیں کہ ”مر جائے صفی غارت ہو“
لوگ اکثر اُسے جینے کی دُعا دیتے ہیں

ترا دیدار بعدِ مرگ ہوگا
بے صفے ابھی سے مر رہے ہیں

توکل یا قناعت کرنے والے
 ہمیشہ اپنی والی پر رہے ہیں
 رویا تو کرو صفی شبِ ہجر
 اتنا بھی جی کو مارتے ہیں
 دل جو دکھے توجہ نہ چھوڑ صفی
 مرد ہمت سے کام لیتے ہیں
 تذکرہ اُس کا کیوں نکالتے ہیں
 لوگ جلتے پہ تیل ڈالتے ہیں

خوشی سے کب وہ ہمارے مکاں میں رہتے ہیں
 اگر مگر میں چنیں و چناں میں رہتے ہیں
 اب کہیں حضرتِ دل راستے میں آتے ہیں
 پوت کے پالنے میں پالو نظر آتے ہیں
 اے صفی کون علاجِ دل بے تاب کرے
 تنگ آتے ہیں تو بیمار کو سم دیتے ہیں
 صفی اس اپنی شد بد پر ہی تم کو ناہ ہے اتنا
 ذرا دنیا میں دیکھو لوگ کیسے کیسے لایق ہیں

تم ہو اچھے تو اپنے گھر کے ہو
 ہم بُرے ہیں تو اپنے گھر کے ہیں

سخنِ سخنوں کے دل میں بھی ذرا سا چوہ ہوتا ہے
یہ بنیے کچھ نہ کچھ پاسنگ رکھتے ہیں تر از در میں

ذرا سی بھی کچی ہونفس میں تو قہر ہی سمجھو
نہیں ہوتا ہے کچھ دو چار گز کا ڈنک پچھو میں

وہ آئے ہیں تو اب کچھ حضرت دل رنگ لائے ہیں
عجب آفت میں ہوں دشمن بغل میں دوست پہلو میں

تری جھوٹی محبت رکھنے والا بھی نہیں ملتا
ہم اس کے ہاتھ کو بوسہ دیں، اس کے پانو کو چومیں

مجھے جس نے رُلایا، اس کے میں قربان ہو جاؤں
لہو کی چھینٹ کیا پیاری نظر آتی ہے آنسو میں

عشق بازی ہے زندہ در گوری
موت سے پہلے مر چکا ہوں میں

طلب حق ہے، ایسے عجز کے ساتھ
جیسے خیرات مانگتا ہوں میں !!

دل میں جلوے نظریں انجمنیں ؛ ایک ہوں اور جاہِ جاہلوں میں

لوگ کیوں دیکھتے ہیں لُخ میرا ؛ یا دردن کی اگر ہوا ہوں میں

پیارے آتا چڑا ہے اپنے پر ؛ وہ مگر بھینس میں یا ہوں میں

یاد فرما کے وہ تو بھول گئے ؛ سر ٹھکائے کھڑا ہوں میں

مجھ سے ان کا پتہ چلتے ہیں آدمی ہوں کہ نقش پا ہوں

اس نے مجھے جواب دیا ہاتھ جوڑ کر
شوخی کا میل خوب کیا انکسار میں

متیاد سنہ اشارہ کیا میں سمجھ گیا
باتیں پکار کر نہیں کرتے شکار میں

کبھی دہلے سے پر سر نوڑا کے وہ یوں مسکرائے ہیں
جو ناواقف سمجھ لے کچھ فتور آیا ہے نیت میں

کچھ دھنوں سے دل ذرا کر اور ضبط
بات رہ جائے ہماری چسار میں

نہ گزری محبت میں عزت کے ساتھ
برے سے کا کوئی ساتھ دیتا نہیں

کہاں نشہ وصل پہ ہے صغی
کیا وقت بھیرا تھا آتا نہیں

کیا خاک پھر کسی کی نظر میں سماؤں کا
جب آپ کی نظر میں سما یا نہیں ہوں میں

بات سمجھیں نہ بات کو سوچیں
آپ تو لیس اگر مگر کسے ہیں

اُن کی باتوں کا پوچھنا کیا ہے
میری ہر بات بھول جاتے ہیں

جو مٹے خانے سے مٹے آشام پی پی کر نکلتے ہیں
تو ساری پوتیاں کھلتی ہیں سب جو ہر نکلتے ہیں

پورا کرنا نہ کرنا وعدہ کا
ہیں ترے اختیار کی باتیں

یہ پابندِ اقرار ہو گئے کامنڈ
یہ وعدے میں پورے اُترنے کے دن

میں گردوں ایسے گڑھے میں دیدہ و دانستہ کیوں
جس طرف جانا نہ ہو پوچھے کوئی وہ رستہ کیوں

وہ کہہ رہے ہیں کچھ تو کہو اپنا مدعا
میں ہوں کھڑا ہوا اسی حیرت میں کیا کہوں

ہر شعر تیر بن کے نکلتا نہیں صفتی
اگلی سی اب چڑھی ہوئی میری کہاں کہاں

مجھ کو خاطر میں نہ لا، خیر یہ انصاف تو کر
میں ترار تہ تری شان کہاں سے لاؤں

دوست دشمن یہ برابر کی بڑی جاتی ہیں
ان نگاہوں کے نگہبان کہاں سے لاؤں

صفتی وہ تو نہ آئے تھے نہ آئے ہیں، نہ آئیں گے
یہ کس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے پھر اپنی نظر گھر میں

رکتا ہوں کس کے رو کے سے اب کی بہاریں
بارہ مہینے کاٹ دیئے انتظار میں

آپ کیوں مجھ پر غایت کی نظر رکھتے؟ اتنی اتنی کی بھی اغیار خیر رکھتے ہیں

تیرے قربان تیری محفل میں؛ دوستی منہ پہ دشمنی دلیا

تذکرہ اس کا کیوں نکالتے ہیں؛ لوگ جلتے یہ تیل ڈالتے ہیں

اے صفتی ان کی دشمنی کو نہا؛ لوگ میری نظر دیتے ہیں

و

خدا نے دی ہیں آنکھیں دیکھنے ہی کو مگر دیکھو
 ذرا اکھوٹا کھرا پڑ کھو، ذرا عیب و ہنس دیکھو
 اُسے دیکھا ہے جس کے دیکھنے کو لوگ مرتے ہیں
 نظر باز و ہماری بھی ذرا حدِ نظر دیکھو
 زبنا ہی اور پھر کیسی زبنا ہی آج ممکن نے
 ذرا انصاف سے تم اپنے دل میں سوچ کر دیکھو
 نہ دیکھو دوست بن کر تم تو دشمن کی نظر دیکھو
 خفا ہو کر، بگڑ کر، رُوٹھ کر دیکھو، مگر دیکھو
 نہیں بھرتی طبیعت، لاکھ دیکھو، عمر بھر دیکھو
 خدا کی شان ہے ایسے بھی ہوتے ہیں بشر دیکھو
 یہ بھولی صورتیں تو دل میں رکھ لینے کی ہوتی ہیں
 مگر کیا سخت ہوتا ہے حسینوں کا جگر دیکھو
 مجھے جب دیکھتے ہو، شکل کیا بنتی ہے دشمن کی
 گن آنکھیوں سے کبھی اک بار تم ان کی نظر دیکھو
 صفی کو شاعری سے ہل گئی ہر دلعزیزی بھی
 دروغِ مصالحت آمیز بھی ہے کیا ہنس دیکھو

وہ ہم سے خفا اور پھر اس طرح خفا ہو
اللہ بُرا چاہنے والوں کا بُرا ہو!

کانٹے تو مرے حق میں بہت بوئے عذونے
ایسا تو نہ ہو خود ہی کہیں آبلہ یا ہو

مارو جسے تم چاہو، جسے چاہو جِلا دو
کہتا ہو کوئی جھوٹ تو ہوں اُس کے خدا دو

وہ آپ کی صورت کو مرا یا س سے تیکنا
وہ آپ کا کہنا ”اِسے محفل سے اُٹھا دو“

یہ ظلم بھی سہہ سہہ کے دُعا دیتے ہیں تم کو
اللہ رکھے، چاہنے والوں کو دُعا دو

دیکھا اُسے آنکھوں نے تو دل کو ہوی تسکین
ہاں سچ ہے صفی ایک کی دُنیا میں دُعا دو

ہم سے تو اُس کے واسطے بھی بد دُعا نہ ہو
دشمن بُرا ہی، مگر اُس کا بُرا نہ ہو

وہ مجھ سے رُوٹھ جائے الہی جُدا نہ ہو
بے آس ہو تو ہو، کوئی بے آسرا نہ ہو

عاشقوں میں بیٹھ کر وہ عاشقی کرنے لگے
واہ کیا ثابت کیا ماحول کی تاثیر کو

کھڑے ہو تو ہٹو، بیٹھو تو سر کو
سلام، اُس انجمنِ آرام کے گھر کو

وہ آنے کا بھی وعدہ جو کیلے
تو میں پلکوں سے جھاڑوں رہ گزر کو

صفی اُس نے ہمارا ساتھ چھوڑا
نصیحت ہو گئی اب عُمر بھر کو

ہم نشینو اُس کیا تم سے جو کوئی کام ہو
مشوروں ہی مشوروں میں صبح کی جب شام ہو

زہر کھائے آپ کا عاشق بڑا افسوس ہے
ایسے اچھے کام کا ایسا بُرا انجام ہو

آفریں اے کان کے کچے ذریعہ تو سمجھ!
ہم بھلا ایسا بھی چاہیں گے کہ تو بدنام ہو

شرم کی کیا بات ہے ہاں پھر ذرا فرمایے
ہم ہیں ادھی رات کو حاضر اگر کچھ کام ہو

آسماں سے بھی گزر جاتیں ہرے نلے مگر
کون چاہے گا کہ اپنا راز طشتِ ازبام ہو

سبب تکلیف کا گنتا ہے سرد و گرم دوراں کو
کیسی پہلو نہیں ہے چین، اِس بے صبرِ اناں کو

صفی کو تم کسی بے لاگ سے پوچھو، قسم دے کر
کہ ہندو کو دھرم، ایمان پیارا ہے مسلمان کو

اے صفی رو کے کیا ڈراتے ہو
گرم پانی سے گھر جلاتے ہو

میرے سارے دوست ہی معشوق ہیں گویا صفی
دوٹھ جلاتے ہیں وہ فرمائش اگر پوری نہ ہو

تو بہ کرو انسان کو اتنا غصہ
پانی پیو، شیطان پہ لا حول پڑھو

رہ رہ کے قبر میں بھی تو اُکاٹا گیا ہے دل
آلہ ہے فاتحہ کو نہ کوئی درود کو

حصیں ہو، مزے جیسے ہو، نازیں ہو
مگر تم قول کے سچے نہیں ہو
خوشامد، چالپلوسی، جبر سب کچھ کر کے بھسپایا
تم اپنے فعل کے مختار ہو، اب جاؤ یا بیٹھو!
صفی تو دوستوں سے کیوں لیا کرتا ہے وحشت کی
اے ہم تجھ کو چاہیں اور تو جھگل کے جھاڑوں کو

کیا جانے صفی کون سی مٹی سے بنا ہے
ہنستا کبھی دیکھا نہیں اس مردِ خدا کو

تمہاری نذر ہے دل کی اگر ضرورت ہو
وہ کون شخص ہے حاضر میں جس کو تخت ہو

ہم اب سے آسمان کو راز دار اپنا بنائیں گے
بڑوں کا قول ہے جو ہم نشیں ہو سن ریدہ ہو

جو نہ رکھتا ہو اپنی ذاتی رائے
ایسے انساں کو بیچ ادھر سمجھو

دل اور دل میں درد نہ ہو ہائے دوستو
کیا ہو گیا ہے جملہ کچھ اپنی دوا کرو

دل لے کے زندہ چھوڑ دیا کیا غضب کیا
میری قسم بس اور ذرا دل کڑا کرو

ہم کو شک میں ڈال دیتی ہے صفی کی بول چال
دوستو! تحقیق کرنا، یہ ادھر والا نہ ہو

وہ بھی آجائیں گے، لیکن موت مجھ کو آئے تو
کام بن جائے گا، شاید جان پر بن جائے تو

جس طرح دردِ دل نے صفی سے کیا سلوک
کوئی شریف آدمی یوں در بہ در نہ ہو



اُس نے کچھ پوچھا تو ہم کو شرم رہی یا طیش رہا
یا تو منہ سے کچھ بھی نہ نکلا، نکلا بھی تو کچھ کا کچھ

عشق سمجھ سے بالاتر ہے اس میں سمجھ کا کام نہیں
ایسا دیا کیسا سمجھا ایسا کچھ نہ دیا کچھ!

ہر قوت کا زور جو ٹوٹا، تھوڑا سا آرام ملا
دُنیا کے قابل نہ رہے تو سمجھ میں آئی دُنیا کچھ

بندے سے کھینچ، آگے خدا کے پیار ہاتھ
بندے کے دوڑیں اور خدا کے ہزار ہاتھ

جی باغ بارخ ہو، کوئی ایسی دوا کرو
دینار لالہ و گل و زر گس سے فائدہ

کیوں تاڑ نہ لے کوئی نہ کیوں بات بگڑ جائے
چالاک ہیں ہم بھی تو ضرورت سے زیادہ

آہول پہ بھر دس ہے تو پھر اپنی ہوا باندھ
دُنیا پہ نظر ڈال، نہ دُنیا کی ہوا دیکھ

ہر جُلوہ پرانی آگ میں پڑ
ٹوڑ سا ہے دل و جگر تو دیکھ

نہ ہوں مایوس دیکھنے والے
دید بازوں کو آنکھ بھرتو دیکھ

شوقِ خود بینی تمہیں ہے اُس کو لپکا دید کا
تم سوا ہو آٹنے سے تم سے بڑھ کر آئینہ

میں اور بے وفائی کروں رنج و غم کے ساتھ
جب تک کے دم میں دم ہے یہ ہیں میر دم کے حق

او خلیش تن گم است کہا، رہبری کند
مُفلس کو کیا صافی، کسی مُفلس سے فائدہ

کرد کیوں شاعری میں کیوں بنوں گم راہ دیوانہ
پرانے گھر کی شادی اور عبد اللہ دیوانہ

ملتا ہے نزا، تیری قسم اور زیادہ
ہاں اور زیادہ ہو ستم اور زیادہ

کیا بات ہے یہ حسرت دیدار بھی نکلی
اللہ نہ کھل جائے بھسرم اور زیادہ

ہم تو نگاہِ ناز کے شر بان ہو گئے
دشمن اٹھائیں گے تری مجلس سے فائدہ

اب وہ دوا ہمارے لیے زہر ہو گئی
اگلے دنوں میں سب کو ہوا جس سے فائدہ

اب وہ دوا ہمارے لیے زہر ہو گئی
اگلے دنوں میں سب کو ہوا جس کا فائدہ

لے کام اپنی زندگی مُستعار سے
ہے فائدہ کی چیز اٹھا اس سے فائدہ

دل کو کیوں اس سے بھلا شوقِ ملاقات ہے یہ
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا بات ہے یہ

یہ جو اغیار کی دوڑ لک ہوئی آپس میں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کیا بات ہے یہ

آپ یہودِ عسلی کو بتاتے ہیں صفی
جانست اہوں میں بڑا نڈر خرابات ہے یہ

ہر آدمی کو اُس کے خلاف آزما کے دیکھ
دشمن کو دوست، دوست کو دشمن بنا کے دیکھ

ہے گردش میں کچھ میرے مقدر میں کچھ
گھڑی بھر میں کچھ ہوں گھڑی بھر میں کچھ

آپ اپنی طرف ذرا دیکھیں
بن گئی ہے لڑائی کا گھر آنکھ

بندے سے کھینچ، آگے خدا کے پیسا رہا تھ
بندے کے دو ہیں اور خدا کے ہزار رہا تھ

ہوتا ہے تہا ہر کس و نا کس سے گلہ دیکھ
نا اہلوں سے اخلاصِ جنت نے کا مزا دیکھ

صرف اپنے لیے جہد و بقا خود غرضی ہے
اسلاف کی توہین نہ کر سب کی بقا دیکھ
مجھ ایسے دکھے دل کو بھلا ضبط کی تاکید
لے چاہہا گر عشق ! مرض دیکھ، دوا دیکھ

سب میں آئینہ دیکھنے
آگے پیچھے ادھر ادھر تو

کس کو مہمان کر رہا ہے صفی
خود کو دیکھ اور اپنا گھر تو دیکھ

میں اور بے وفائی کروں رنج و غم کے ساتھ
جب تک کہ دم میں دم ہے، یہیں میر دم کے ساتھ
کتنوں کا خون کر چپکے، اللہ کو خبر
ہندی بغیر آپ کے یہ لال لال ہاتھ

ذرا بے وقت کھڑکائی، اگر زنجیرِ میخانہ
تو ایسی برہمی، یہ بے رخی لے پیرِ میخانہ
یہ اُستادی برے شاگرد کا اُستاد کیا جانے
صفی آساں نہیں ہے دوسروں کے مالِ پیغہ

ی

عاشقی سے دل کی دُنیا پر تَبّ ہی آگئی
دل ہی دُنیا تھی ہماری دل گیا دُنیا گئی

آر و رفتِ نفس ہی پر ہے دُنیا کا دُا
دَم کا سارا کھیل سمجھو دَم گیا دُنیا گئی

آپ بے دل ہوں تو پھر عاشق کے دل میں دل کہاں
آپ اگر خوش ہوں تو اس کی جان میں جان آگئی

دل بھی جا لے منزلِ مقصود، کچھ تو رَحْم کہ
اب تو ہمت ڈھونڈنے والوں کی ٹھسسی کھائی

اک صَفی کی آہ نے مہنگا مہ برپا کر دیا
دل جلے کی چیخ تیری بزم کو گر ما گئی

یاری غرض کی اور ہے مطلب کی دوستی
بیٹھے ہیں دیکھ دیکھ کے ہم سب کی دوستی

بات رکھ لے اپنی اے جوشِ جُنوں
چارہ گردِ خوش ہے کہ رگ پہچان لی

کو چہ گردی کا نہ پایا کچھ علاج
خاکِ دُنیا کی صَفی نے پھان لی

بے وفا آنکھیں بدل دی تُو نے طوطے کی طرح
دل کی کیا پروا ہے لیکن تیری نیت دیکھ لی

پھر صفی صاحب دیں پر پاؤں پھیلانے لگے
جس جگہ اک آدھ بھی اچھی سی صورت دیکھ لی

وہ بگڑے تھے دشمن سے مجھ سے لڑے
کدھر ہونے والی کدھر ہو گئی

نہ آئے ہمیں آج تک داؤدِ بیخ
صفی اپنی یو نہی بسر ہو گئی

جاڑوں کی چاندنی کی طرح، صبح ہے صفی
مُفلس کا عشق اور جوانی غریب کی

فکرِ بُتاں نہ ذکرِ خدا جن کو ہے صفی
ایسوں نے شاعری کی بھی مٹی خراب کی

آدمی کی تجھ پہچان نہیں ہے ظالم
ہم تو کرتے ہیں ترے مُنہ پہ شکایت تیری

باتیں نہ بنا تیرے تصدّق
آنکھوں میں ہے نیند رات بھر کی

بُخا، بکھی اور پھر اُن سے
اللہ ری زبان ہاتھ بھر کی

یہی آنکھیں یہی دل ہے تو بس اللہ حافظ ہے
نہیں معلوم کیا ترکیب ہے دُنیا میں جینے کی

شکایت پر وہ کیا شرمائے مجھ کو اور پیار آیا
قیامت دھا گئیں ماتھے پر کچھ بُنڈیں پسینے کی

بچا جو صدمہ فرقت سے میں تو وہ تلاشتی ہیں
کہ اُس کے آگے آئی، اس کی ایسی کونسی نیکی

ہوا ہوں جبے مفلس اپنے آنسو آپ پتیا ہوں
کروں کیا اے صفی عادت بُری ہوتی ہے پیے کی

اسے دیکھا ہے جس انداز میں اللہ شاہد ہے
بلائیں خود مجھے یعنی بیڑی اپنی نگاہوں کی

پرستش سے زیادہ ناز برداری گواہوں کی
گنہگاروں کی یہ تو ہیں توبہ سے گناہوں کی

الہی! بند مٹھی کا بھرم رکھ لے قیامت میں
نہ کھلو دشمنوں کے سامنے ٹھٹھی گناہوں کی

کیا بظن اُسے اب اور میرے دوست کیا کرتے
چلی وہ چال راہیں بند کر دیں آنے جانے کی

گنہگاروں کے چہرے پر کبھی کیسا خون دوڑ آیا
رتے جلوتے صورت ہی بدل دی رُوسا ہوں کی

صفی اپنی زباں رو کو زمانے کی شکایت سے
بگڑتی جا رہی ہے دن بدن حالت زمانے کی

جنہیں عادت تھی میرے پاس دن کو رات کرنے کی
انہیں کو اب نہیں فرصت برابر بات کرنے کی

ہونٹ بھی سی ڈال اتنی بات بھی باقی نہ رکھ
کیا بتاؤں کس لیے کس کے لیے فریاد کی

بات تو کہنے نہیں دیتا بھلا شکوہ کہاں
کیسے چلتی ہے زباں قینچی سی اس طرار کی

تاجبِ طولِ اہل، حد بھی کوئی لبان کی
میری ہر اُمید گویا آنت ہے شیطان کی

کرنہ فکرِ انبساط اپنے دلِ غم ناک کی
بند مٹھی لاکھ کی ہے کھل گئی تو خاک کی

ہائے کیا بھولا تھا دنیا کب جگہ تھی سیر کی
جلد آنکھیں ڈھانپ لیں میرے خدا نے خیر کی

بس بس یہ سب چُناں و چُنیں چھوڑے صفی
دل صاف رکھ کہاں کی صفائی زبان کی

ملنے والے جو ہو گئے گندہ بچٹ
غلطی کس کی؟ آپ کی؟ میری

میرے مُنہ پر میری تعریف جو کرتے تھے صفی
پیٹھ پیچھے وہی کرتے تھے شکایت میری

ان کی خاطر کبھی ہنسنا بھی تو کیا
بزم میں اُڑ گئی ہنسی میری

اُس کی دُنیا نہ پوچھ لے ہم
جس نے دُنیا اُجاڑ دی میری

وہاں جب تک بھی تھا، خود اختیاری تھی کہاں میری
رہائیں، جس طرح بتیس دانتوں میں زباں میری

وہی ہر آرزو کو جان کر انجان بستے ہیں
خدا اُن سے سمجھ لے جو سمجھتے ہیں زباں میری

شریکِ بزم آخر اک مٹھی کو کیوں نہیں کرتا
تری اک بات بھی کاٹوں تو کٹ جائے زباں میری

جفا کا درد، پامالی و فسا کی، کوئی کیسا سمجھے
صفی سمجھوں گا میں محنت گئی ہے رائیگاں میری

کہاں کے لالہ و گل تینکے تینکے کو ترستا ہوں
مجھے دیکھو کہ آئی ہے بہاروں میں خنداں میری

ہوا ہی باغ کی بگڑی، بگڑتا وقت جب آیا
خبر دینے لگا، ہل ہل کے میرا اشیاء، میری

کسی کی عاجزی پھر کیوں کر دل پہ قابو ہو
کسی کی کیوں سُنوں، سُن لیں اگر اللہ میاں میری

دل کے معاملے تو یہ ایک ہی ہوی
جو چیز ہا تھ پڑ گئی وہ آپ کی ہوی

طعنے سُنے رقیب کے، کیوں اتنے مان لو
آخر کو پیش آئی ہمارے کہی ہوی

پھر تازہ رنج پہنچا پھر تازہ آفت آئی
جاتی نہیں الہی تقدیر کی بُرائی

یہ بھی سمجھ چکا تھا سب کو ششیں بخت ہیں
جب دل میں میل آیا کیا خاک پھر صفائی

دل بھی صفی ہے اپنا، ہونٹ اپنے دانت اپنے
کس کی کریں مذمت، کس کی کریں بُرائی

ہم سے ملتا ہی کیا کسی کا دل
چار دن کی تو زندگانی تھی

مُراد اپنی جب ہم نے پائی نہ ہوگی
تو کیا کیا بدی دل میں آئی نہ ہوگی

اب اُس کے دُرسے اٹھ کے کہا جائیں ہم نشیں
تھوڑی سی رہ گئی ہے، بہت سی گزر گئی

یہ کس کو خبر تھی کہ کریں گے مجھے رسوا
یاروں سے کوئی بات چھپائی نہیں جاتی

تم نے کیسی مزاج پر مری کی
غیر کی آئی مگر گئی کیسی

سانس ہے تو فقاں کی دُھن بھی ہے
بانس ٹوٹتا تو بانسری کیسی

خالی غولی مجھ سے لڑتا ہے تھرکے کیا کہوں
اے صفی میں نے نکالامنے سے اِلا اللہ بھی

حالِ دل کیا پوچھتے ہو جاؤ بھی
میں نہیں اب پاؤں کا پاؤ بھی

آپ اپنی یادِ دل سے ہمارے نکال دیں
کلی کو خدا نخواستہ نیکی بدی ہوئی

آنکھوں آنکھوں میں دل لیا اُس نے
کانوں کانوں مجھے خبر نہ ہوئی

اور کیا کام آپ سے ہو گا
کھل کے جب بات بھی نہیں ہوتی

چاہنے والے جان دیتے ہیں
مُفت میں عاشقی نہیں ہوتی

مردہ دل ہو گئے صفی صاحب
ان سے اب شاعری نہیں ہوتی

شاعری نے یہ پیچ ڈالے ہیں
زُلف زنجیر ہو نہیں سکتی

خیر ہو وہ یا تو دشمن تھے ہمارے نام کے
یا تو یہ تانتا بندھا ہے آدمی پر آدمی

اُن کا نظارہ ہے یارب! یہ کوئی ٹوٹ ہے
کیوں گرے پڑتے ہیں ایسے آدمی پر آدمی

اے صفی اُس وقت کا اسلام کیا اسلام تھا
سیکڑوں لاکھوں پہ بھاری تھے بہتر آدمی

اِس بلاوے میں کوئی فی تو نہیں ہے اے صفی
اُڑھا ہے آج اُن کا آدمی پر آدمی!

مُن لیا ہے کہ وہاں سب کو لیں گی حُوریں
وہ دعا کرتے ہیں جنت میں نہ جائے کوئی

تجھ پہ بیستی ہی نہیں وقت بُری شے ہے صفی
کام آتے ہی نہیں اپنے پرانے کوئی

بکس یہ تم کس رہے تھے کل فقرے
اور کیا ہ مجھ سے چھوڑ خانی تھی

لُرخِ حبیب سے ہٹ کر جوڑے طُور گئی
نگاہِ حضرتِ موسیٰ کی بات دُور گئی

نوبہِ وصل کے سنتے ہی سکتے ہو گیا مجھ کو
صفتی ماے خوشی کے بات بھی مُنہ سے کہاں نکلی

اگر ہو نہ افسوس میں کچھ مَرہ
بھو، ہاتھ پھر کیوں لے آدمی

ہب کسی کے دل میں گھر ہو گا تو ہم پائیں گے چین
لے صفتی ایسا نہ ہو تو خسانہ بردوشی سہی

کراما کا تبین بس کیا بنے کندھوں پہ چڑھ بیٹھے
فرشتوں کا کھلونا بن گئی تصویرِ مٹی کی

کچھ نہ کچھ تو کر کہ بے کاری سے بیگاری بھلی
گر نہ ہو عشق و وفا تجھ سے جفا کوشی سہی

اُس کو عشاق کی تمیز ہوئی
اُج محنت ہماری چسپند ہوئی

مُشکل سے کیوں نہ ہو گی صفتی کی گزیر بسر
شاعر بھی ہے غریب، ندامت پسند بھی

غیر کو چاہا سو چاہا، اس پہ ایسی شوخیاں
مک نہ رشُد، دور شُد، ہمارے قول کی تردید کی

ذرا آواز سے لی سانس تو دے دی مجھے گھر کی
گوارا ہو انھیں، آواز کیا بے تال بے سر کی

خدا کی شان ہے اب نام سے گالی نکلتی ہے
کبھی میری دُعا پر آپ کی آمین ہوتی تھی

بے توقع سامنے جب تیری صورت آگئی
دل میں آئی جان، آنکھوں میں طراوت آگئی

مشکل ہے روک آہِ دلِ داغ دار کی
کہتے ہیں سوسنا کی اور اک لہار کی

اُمید نکلے کیا دلِ اُمید دار کی
کہتے ہیں بوجھ ایک کا، لاٹھی ہے چار کی

اے صفی عاشقی میں یہ ذلت
تُو نے کوئی مراد مانی تھی!

اے صفی وہ بگڑ گئے مَن کمر!
تیری قسمت کو کیا کرے کوئی

پہلو ہزار ہم نے کیے گر چہ اختیار
لیکن جو اس کے دل میں ٹھنی تھی ٹھنی رہی

وہ جس بات پر اڑ گیا اڑ گیا
ٹھنکے ہو ٹھنکے ہو ٹھنکے ہو ٹھنکے ہو

۷

اداپیدا نظر سے، شان رُخ سے، آن تیو سے
ترے قربان آخر دل ہے کس کس کے لیے ترے

نہ ہو جب عشق تو آنسو نہ نکلیں دیدہ ترے
بہت نقصان ہے پانی سے بے موسم اگر برے

گھٹا گھنگور چھائے، خوب گبے، ٹوٹ کر برے
مرے اللہ وہ جلنے نہ پائیں اب سر گھر سے

ہنساری بھی سیکھو، جب نگاہ ناز پائی ہے
میری جاں آدمی اخلاق سے، تلوار جوھر سے

پرستش جرم ہے تو جرم اپنا بخشو الیس گے
ترہی دہلیز کے سجدے کریں گے پھرنے سر سے

بناوٹ ہو تو ایسی ہو کہ جس سے سادگی ٹپکے
زیادہ ہو تو اصلی حُسن چھپ جاتا ہے زیور سے

کھلی جب آنکھ ہم نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی ہے
خدا کا نام لے کر لوگ اٹھا کرتے ہیں بستر سے

خدا نے کیا حسنیوں کو کرامت بھی عطا کی ہے
یہ ظالم تازی لیتے ہیں دل کی بات تیور سے

اطاعت و مہر جو حیوان کو انساں بناتی ہے
لیا ہے نامہ بُر کا کام لوگوں نے کبوتر سے

اے نادان کسچا چاہنے والا نہیں ملتا
وہ لیلی تھی کہ جس کو مل گیا مجنوں مقدر سے

بہیں معشوق کو اپنا بنانا تک نہیں آتا
بنانے والے آئینہ بنا لیتے ہیں پتھر سے

صفی استاد کا اور باپ کا رتبہ برابر ہے
مرے کیا حضرت کیفی کہ سایہ اٹھ گیا سر سے



طبیعت بچھ گئی جب سے ترے دیدار کو تر سے
اگر اب نیند آتی ہے تو اٹھ جاتے ہیں بستر سے

رہے دنیا میں لیکن دو گھڑی آرام کو تر سے
ذرا سا عیش بھی ہم نے نہ پایا اس بڑے گھر سے

اثر رہتا تو ہے کچھ دیر ناصح کی نصیحت کا
مگر کیا فائدہ جیسے کے ویسے پھر گھڑی بھر سے

گھڑی بھر کی ہے ناچاتی نہ جا رہندوں میں اے ساقی
ذرا ہوش آگیا تو ایک ہیں یہ سب گھڑی بھر سے

زباں سے آہ نکلی، دل سے نالہ، آنکھ سے آنسو
مگر اک تیری دُھن ہے جو نکلتی ہی نہیں سر سے

پلٹ کر دیکھ لے اے بے مُروت کیا قیامت ہے
یہ چپکے سے نکل جانا ترا میرے برابر سے

الہی! صُورِ اسرافیل کی تیخ کیوں لگاتی ہے
قیامت میرے نالوں سے اُٹھے یا اُن کی ٹھوکر سے

ابھی تک تو یہی ہے جان جائے اُن رہ جائے
نہیں معلوم پھر کیا ہونے والا ہے گھڑی بھر سے

کیا دیوانہ جس نے اُس کی دیوانی رہے دُنیا
مجھے جس نے نکلوا یا ہے گھر سے، خوش ہے گھر سے

وہ چھپڑ بھپڑ کر دیتا ہے سنتے ہیں، تو کب دے گا
جب آنکھیں لگ گئیں چھت سے تو کیا اُمید چھپڑ سے

مراجی سیر ہے ذوقِ محبت سے، تر اصدق
دُعا مانگوں تو دونوں ہاتھ کچلے جائیں تپھر سے

کسی کا وعدہ اور اُنا کسی کا، پھر سمجھ اپنی
ہوا سے کیا لڑیں آواز دروازے نے دی چر سے

صافی کو مسکرا کر دیکھ لو، غصہ سے کیا حاصل
اُسے تم زہر کیوں دیتے ہو جو مِرتا ہے شکر سے

کہیں معشوقِ ملا ہے کسی کو زور سے زور سے
زلیخا کو بلے تھے حضرت یوسفؑ تقدس سے

ہم اپنا حالِ دل کیوں کر چھپائیں اس ستم گر سے
رہیں خاموش تو چوری پکڑ لیتا ہے تیو سے

کہا کرتی ہے دُنیا، دوستِ ملا ہے تقدس سے
مقدر ہی اگر دشمن ہوا تو عمر بھر تر سے

ہمیں دردِ وِ اَلَمِ کم ہی ملے ہوں گے تقدس سے
مگر پھر بھی بہت رونے بہت تڑپے بہت تر سے

گر جا سو برستا ہی نہیں، یہ سُنتے آئے ہیں
وہ ایسے بھر کے آئے تھے بہت گرجے بہت ہر سے

نہ دیکھو کچھ تم اپنے مانگنے والے کا دل دیکھو
اسی جھولی میں ہے جو کچھ ملا ہے چار کے گھر سے

جھجک ایسی حجاب ایسا، یہاں تو یں اکیلا ہوں
کہاں بھاگو گے تم ہنگامہ میدانِ محشر سے

گئے تاب و تواں تو دستگیری کی تصو نے
آپا بج ہو کے رُتبہ بُرہ کیا چلنے لگے سر سے

جگہ کا دردِ دل کی ٹیس، دونوں دیکھے بھا ہیں
الہی ان کی خاطر تو نہ اٹھوا مجھ کو بستر سے

عدو کا خط کبھی سر پہ کبھی آنکھوں پہ رکھتے ہو
لکھا ہے اُس نے ایسا کیا تمہیں سُرخا کے پر سے

کسی کا خط کہاں یہ ہم نے بے پر کی اڑائی تھی
مگر لوگوں کو دیکھو چھٹ گئے دل میں کبوتر سے

طبیعت ہم نے اپنی پھیر لی تو اُن کا کیا بگڑا
بڑے غصے میں ہیں جیسے خزانہ دے دیا گھر سے

بہار آنے تو یا رب ہر گلی ٹکڑا ہو جائے
بڑی حسرت میں گزری اب کے اک اک پھول کو تر سے

یہاں تک تو ذرا تکلیف کیجے حضرت ناصح
یہ سچ ہے آدمی کے واسطے کیوں آدمی تر سے

تمہارے ظلم سہتے ہیں تو ہم کو لوگ کہتے ہیں
خدا نے سب کو مٹی سے بنایا اس کو پتھر سے

خدا کی راہ میں دل کو بھی دے ڈالو گمراہ ہے
یہاں دس ہے مجھے پالا پڑے عقبی ہیں تر سے

کسی کا رزق رُک سکتا نہیں خلاقِ اکبر سے
صفی پتھر کے کیڑے کو غذا ملتی ہے پتھر سے

نہ دو طعنے، محبت کیا نہیں ہوتی ہے پتھر سے
اسی پر جان دُلوں پتھر پہ یہ جو بن اگر بر سے

نخراں میں پھول دیکھے، آہ نکلی قلب مضطر سے
بہت جلدی اُتر جاتا ہے نشہ حُسن کا سر سے

بھلا وہ خواب میں تشریف لاتے، شاد فراتے
جگانا تھا فقط اک چَین سے سوتے کو بستر سے

بڑے بھولے ہیں سُن کر نام بھی مجھ کو پہچانا
کبھی پہچانتے تھے آپ دِل کی بات تیو سے

ترپتے لوٹتے رہتے تھے لیکن گھر میں رہتے تھے
یہ چکر پاؤں کا تو بڑھ گیا قسمت کے چکر سے

دہی ہم ہیں کہ دُر آج ماے ماے پھرتی ہیں
ہی ہم تھے، قدم باہر نہ رکھتے تھے، کبھی گھر سے

اگر منظورِ خاطر سختیاں ہی جھیلنی ہوتیں
تمہارے بدلے کرتے دوستی ہم ایک پتھر سے

یہ جیسی خود ہے ویسا دوسرے کو بھی سمجھتی ہے
بدل دی ہم نے اپنی طرز بھی مخلوق کے دُے سے

زمانے میں کسی کی سخت باتیں کون سُنا ہے
جہاں پہنچے جواب اُن کو ملا پتھر کا پتھر سے

مجھے پھر یاد کیجے، شاید اتنا یاد آجاتے
کوئی سو بار خالی پھر گیا تھا آپ کے در سے

زیادہ غم کا کھانا میرے حق میں زہر ہی ٹھہرا
گرے ہیں کیسے نیلے پیلے آنسو دیدہ ترے

صفی ہر آدمی قسمت کا اچھا ہو نہیں سکتا
مقدّر بھی جو ملتا ہے تو ملتا ہے مقدّر سے

صفی کا ذوق ہر حالت میں اُس کا ساتھ دیتا ہے
شکر خورے کا منہ اللہ بھر دیتا ہے شکر سے

نہ لینا اک نہ دینا دو، سرِ بازار لوگوں سے
ہمارا دل ہے، گاہک آپ ہیں، تکرار لوگوں سے

کس نے پھل پایا نہالِ آرزو سے آج تک
کوئی کیا بچائے سبھا، واقف ہوں بحرِ بنیاد سے

یہ کوئی کم ہے کہ کھل کر سانس لے سکتے ہیں ہم
بوجھ سینے کا تو چھٹ جاتا ہے کچھ فریاد سے

غیر موزوں شعر، ایسا ہی ہے شاعر کے لیے
لم لگے جیسا کسی کو ناخلف اولاد سے

کبھی اُن کو بُرا کہتے تھے اب میری شکایت ہے
عجب کچھ ہیں خدا محفوظ رکھے یا ر لوگوں سے

ہمارے ضبط کی تو داد دینی چاہیے تجھ کو
چھپا رکھا ہے دردِ واجب الاظہار لوگوں سے

خدا آباد رکھے، رات دن آباد رہتے ہیں
 بلاؤں سے ہر اکھر، آپ کی سرکار لوگوں سے

تمہیں اپنی طرف سے بندہ بے پروا نہیں کہتا
 خدا شاہد ہے، وگوں سے سنا سرکار لوگوں سے

جان دینی بھی غمِ عشق میں دُوبھر ہے صفی
 ایسے احمدی ہیں کہ اتنا نہیں ہوتا ہم سے

میں نے کہا، جو کان میں کہنی ہے ایک بات
 بولا وہ بدگمان "یہ اخلاص دُور سے"

بزم کی شان گھٹی، چلک گریبانوں سے
 جانے بھی دیجے، خطا ہو گئی نادانوں سے

محو دیدار ہوئے ہم، تو کسی کی نہ سنی
 نور آنکھوں میں جو آیا تو گئے کانوں سے

کبھی چھوٹوں سے بڑے کام نکل آتے ہیں
 میل رکھ، بارگہِ حُسن کے دربانوں سے

آپ ملتے جو گلے، چاک گریبانوں سے
 عیدیاں، عید میں آئیں، کئی غنوانوں سے

جلد بازوں نے دیا، ترکِ تعلق کا سبق !
 کام بننے کے بگڑ جاتے ہیں نادانوں سے

اپنی فکر وں سے یہاں سر نہیں اٹھنے پاتے
 اور وہ وہ سمجھے، میں شرمندہ ہوں احسانوں سے
 مَنہ پہ بکھرا لیے بال اپنے، سبحان اللہ
 دل لگی، دیکھ کے کرتے ہیں پریشانوں سے
 پھرتے پھرتے وہ بھی پھر جائیں گے اپنی راہ سے
 صبر کر لے دل! بڑی اُمید ہے اللہ سے

نعمتِ عشق اور میں ناچیسیم
 اپنے پروردگار کے صدقے

دوستوں نے منالیا اُن کو
 بن گئی بات چار کے صدقے

بندگی اور میری بے کوئی
 پاک پروردگار کے صدقے

ہم کو دیکھا تو قیامت میں بھی پہچان لیا
 واہ کیا یاد ہے اب تک تجھے ہم یاد رہے

آنکھوں کی جوت بڑھتی ہے دیدار سے صقی
 مقبول صورتوں کو بشر دیکھتے رہے

جب طُورِ جل کے مُرمہ بنا غش ہوئے کلیم
 یہ سات آسمان کدھر دیکھتے رہے

اے صفی! شعرو سخن کی کوئی تخصیص نہیں
ہم تو جس شرب و ملت میں رہے پھر رہے

قدرت نہ دے کچھ اور مگر کاتبِ قدرت
بندے کو تو بندے کا گرفتار نہ رکھے

وہ تو خرامِ ناز جو کرنا تھا کر گئے
اُن کی بلا سے مر گئے، دوچار مر گئے

بُھٹی کہاں تک اُس بُتِ خود مر سے دوستی
جو دن گزر گئے وہ غنیمت گزر گئے

ہوتے ہی وصل اور بڑھا شوق اے صفی!
جتنی دوا کی اُتنے ہی بیمار ہو گئے

مری بیمار پُرسی جس طرح سے آپ کرتے ہیں
بھلا چٹکا بھی دیکھے تو وہیں بیمار ہو جائے

ہوا تڑکا الہی ذرہ ذرہ دھڑکا جاگا
مری سُوتی ہوئی تقدیر بھی بیدار ہو جائے

یہ جانِ دولت دیدار کا بدل ہو جائے
عطائے توبہ لہائے توبہ محل ہو جائے

تم نے صورت ہی ایسی پائی ہے
جس طرف جساؤ واہ واہ لگے

جب تک ہے جگرِ خونِ رو لے
بہتی گنگا ہے ہاتھ دھو لے

بے تاب کیا دکھا کے جلوہ
کس حُسن سے مرے عیب کھولے

صنفی وہ پیاس کی شدت وہ دھوپ جنگل کی
پھر اُس پر پائوئیں کانٹے، زبان پر کلنٹے

مری سوانحِ عمری بھی وہ کہانی ہے
کہ جس کے سُنے سے آتے ہیں جسم پر کانٹے

چو طرف آپ کا پکارا ہے
کیا پکارا ہے؟ ہم نہیں کہتے

قول ہارا ہے آپ نے سو بار
کس سے ہارا ہے؟ ہم نہیں کہتے

آج خود کو سنوار کر تم نے
کیا سنوارا ہے؟ ہم نہیں کہتے

ہے عجب طُرفِ تماشہ جسے دُنیا کہیے
اِس میں سچے کی مرن ہے تو بھلا کیا کہیے

آدمی اشرفِ مخلوق ہے سجدِ ملک
اِس کی عزت ہے اگر خاک کا پتلا کہیے

آکے اُلٹے پاؤں پھر جانے کا آخر کیا سبب
کیا جبکہ اُن کو نہ تھی، وہ میرے سر پر بیٹھتے

گھر صفی کا اور آنا آپ کا دشوار ہے
خیر جھوٹوں ہی کبھی اُس کو بُلا کر دیکھتے

اے صفی اب تو نہیں اپنی وہ آدک جاؤں
گا ہے ماہے یو نہی مل لیتے ہیں آتے جاتے

حضرتِ دل نہ رکھیں آپ تمنائے وصال
ایک جھک جھک ہے مری جان کو آتے جاتے

دیدہ تر کم سے کم اتنا تو ہو
اپنی بدنامی کے دھبے دھو کے

ہاتھ جوڑے کوئی سو بار ترے پاؤں پر
اُف اے بے درد کسی پر نہ تری چھانو پرے

کٹ ہی جاتے ہیں مصیبت کے پہاڑ
صُورستِ فرہاد ہمت چاہیے

خود کشی کیوں مجرم میں داخل نہ ہو
کیا امانت میں خیانت چاہیے

ہے وہ ارمانِ وصالِ ستم آراے جہاں
نامہ لکھوں تو سیاہی نہ قلم سے چھوٹے

اب اس کو بھول کہیں ہم کہ بے خودی سمجھیں
خبر نہیں ہے کہاں کھوکھے آبرو آئے

اُس بزم سے پُر کمال آئے
کیسے کیسے خیال آئے

ملنے جُلنے کا پھر مزہ کیا
آپس میں جب کمال آئے

رو کر کھویا ہے صبر گویا
نیکی دریا میں ڈال آئے

چھوڑو بھی صفی سیاہ کاری
داڑھی میں سفید بال آئے

جناب شیخ، اچی قبیلہ! او بڑے حضرت
تمہارے لب پہ بھی ذکر مئے و سُبُو آئے

نہیں ہے کچھ بھی بھرم ہی بھرم ہے زاہد کا
نہ ساز آئے نہ کم سخت کو وضو آئے

غَسَنُل نہیں ہے یہ دل کی بھڑاس ہے ظالم
سمجھ میں کس کی صفی تیری گفت گو آئے

دکھاؤں پھر اُسے کس کس نے اُس کو دکھا ہے
ذرا دہ مجھ سے کہے میرے روبرو آئے

درو دیوار ڈرائیں جو اُسے گھر کاٹے
 پھر بتاؤ کہ شبِ غم کوئی کیوں کر کاٹے
 آنے والی تھی مقدر میں جو گردشِ آئی
 کاٹنے تھے ہمیں تقدیر کے چکر کاٹے
 ہائے فرہاد کی تقدیر سے کیا کاٹ پڑی
 عمر بھر اُس جگر افکار نے پیچہ کاٹے
 ایک میں ہوں کہ تری جھوٹ کو بھی سچ سمجھوں
 ایک تو ہے کہ مری بات کو اکشمہ کاٹے
 حاسد کو میرے ذکر سے تو اشتعال دے
 جھلکتے ہوئے پہ اور ذرا تیل ڈال دے
 ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو
 ایسے بلا کرو کہ زمانہ مثال دے
 کچھ بھی ہو ہر حال اُسے کوئی سنا دے
 اس کان سُنے اور جو اس کان اُڑا دے
 یا موت مجھے آئے کہ یہ حال نہ دیکھوں
 یا اے دلِ بیمار، خدا تجھ کو شفا دے
 آشیر سخن، کسب سے حاصل نہیں ہوتی
 یہ دینِ خدا کی ہے صفی جس کو خدا دے

اب تیرا نام لوں تو مرا نام تک نہ رکھ
دیکھوں جو آنکھ اٹھا کے تو آنکھیں نکال دے

آگے مرا نصیب جو قدرِ وفا نہ ہو
کوئی یہ بات کان پہ اُن کے تو ڈال دے

ہمارا ساتھ نہ دے نامہ بزرگان تو دے
آتا پرستہ تو بتائے ذرا نشان تو دے

تیری غزل سے ہوتی ہے تسکینِ دلِ صفی
اللہ اور تیرے ہنر میں کمال دے

سب سے تُو بدگمان ہے پیارے
کس مصیبت میں جان ہے پیارے

کیا کسی کی سُنوں شبِ وعدہ
تیری آہٹ پہ کان ہے پیارے

تیری دہلیز پر نہ اسے کو
اُس کی آستان ہے پیارے

گرمی بزم تک نہیں منظور
ہائے کیا دھان پان ہے پیارے

اے صفی اب دکن کہاں وہ دکن
اب تو ہندوستان ہے پیارے

ترا خیال، تری یاد اور تیرا نام
دماغ کے لیے، دل کے لیے، زباں کے لیے

جسلا ہوا ہوں، اگر دل کی آگ بھڑکے گی
جمن کو آگ لگا دوں گا آشیاں کے لیے

کس کس کی ہے یہ حق تلفی واہ، واہ، واہ
اپنے ہی ہاتھ اپنے ہی رخسار کے لیے

وہ زخم پر تک بھی جو چھڑکیں تو لوٹ جاؤں
اس میں بھی اک مزا ہے نہک خوار کے لیے

یوسف کچھ ایک سوت کی رٹی کا مال تھے
لاکھوں پہانے ہوتے ہیں دیدار کے لیے

مجرور بے نیازی احباب ہوں صفی
تاشیر کی کمی نہیں اشعار کے لیے

ماہِ کامل میں بھی رخصتہ رکھ دیا اللہ نے
نقص ممکن ہے نہ ہو کہ آدھ کامل کے لیے

اُن کا سنگِ آستاں پایا ہے اب جاؤں گے
آخری پتھر ہے بس یہ میری منزل کے لیے

کیا جلی شمع؟ جو پر دانے نے چکر مارے
دل جلوں تک تو پرندہ نہ سمجھی پر مارے

مجددہ بے رُویتِ مسجود ہے اک فعلِ عِث
دردِ سر ہے جو کوئی لاکھ برسِ سبرِ مائے

مار دُنیا کو جو ٹھوکر تو ذرا خود کو پچا
کہیں دُنیا نہ پلٹ کر تجھے ٹھوکر مارے

جیتے جی نفسِ کُشی جھوٹ ہے میرِ نزدیک
جب کوئی خود نہ ہرے نفس کو کیوں کر مارے

دیکھی وحشت تو مجھے خاصِ نظر سے دیکھا
وہ تو ایسا ہے کہ رگ دیکھ کے نشتر مائے

آپ کو آنکھ پچا کر بھی نہ دیکھیں افسوس
ہائے اس طرح سے جی کو کوئی کیوں کر مارے

چھوڑ دو، جب کوئی کمزور مقابل ہو صفی
ہاتھ سے ہونہ سکے مُنہ سے برابر مائے

بدگماں! کیا قبر میں اَرماں تیرے لے جائیں گے
ہم اکیلے آئے ہیں جیسے اکیلے جائیں گے

شکر یہ تشریف لانے کا بڑی زحمت ہوئی
اب یہاں سے آپ اپنے گھر اکیلے جائیں گے

بارِ پھر بارِ غمِ فرقت اُٹھائیں! بُو الہوس
ایسے ڈنڈ موندھوں یہ پا پڑ بھی نہ بیلے جائیں گے

دوستی سے ہم اُٹھانے کو تھے لطفِ زندگی
یہ نہ سمجھے تھے کہ اک آفت میں ڈالے جائیں گے

اُس گلی میں ڈال دو تا سنبھلیں ٹھوکر کھا گئے غمیر
یوں بھی اک دن خاک میں آنکھوں کے ڈھیلے جائیں گے

دیں گے نا اہل خاک رائے تجھے
ہر بنا سے خدا بچائے تجھے

اے صفی چُپ تو رہ کبھی ظالم
کھا گئی تیری ہائے ہائے تجھے

آبرو کھو کر کوئی کیوں اہل دولت سے ملے
پاؤ ٹکڑا لاکھ نعمت ہے جو عزت سے ملے

کہتے ہو ہم تو دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ
دیکھو یہ بات سچ ہے ذرا دیکھنا مجھے

اب اُن کے مُنہ سے جھڑتے ہیں کیا بھول دیکھنا
کہتے نہ تھے کبھی جو اُجی سے اُرا لے مجھے

دردِ جگر کی کس سے شکایت کروں صفی
جو تھا میرے نصیب کا ملنا ملا مجھے

اِس کو مگو جواب سے کچھ فائدہ نہیں
کہہ دیجیے نہیں تو نہیں، ہاں تو ہاں مجھے

تیرے بغیر چین گھڑی بھر کہاں
ہے دشمنِ بغل، یہ دلِ بدگماں مجھے

بھول کر بھی نہ کیا تُو نے کبھی یاد مجھے
ہاں اِدھر دیکھ مجھے وہ ستم ایجاں مجھے

ایک آنسو کے نکلنے تک ہی دم پر بن گئی
سُرسے اُونچا ہو گیا ہے بُوند بھر پانی مجھے

میں جو گھر بیٹھے، ہاں تو کوئی قدر نہیں
آرتا مال سمجھتا ہے، خریدار مجھے

آج اگر حُسنِ مجازی کی پرستش نہ کروں
کل قیامت میں خدا کا نہ ہو دیدار مجھے

جب مری جاں کہا، بگڑ کے کہا
تُو میرے نام سے پکار مجھے

بس یہ خط کا جواب آیا ہے
”آپ کا خط ہوا دھول مجھے“

دُور اگر ہو جُسنوں دیدِ صفی
”بے سر و چشم سب قبول مجھے“

غیر روں سے التجا کی ضرور نہیں صفی
گھر بیٹھے بھیج دیتے ہیں اللہ میاں مجھے

جوشِ گریہ سے ہراس نہ نہیں اٹھنے پاتا
وَر نہ دشمن کے مقابل کوئی نیچا دیکھے

ایسی صورت پہ یہ اخلاق، یہ گُن، یہ چالے
تم بُرا دیکھو اُسے، جو تمہیں اچھا دیکھے

اے صفی آپ کی قسمت ہی جو الٹی ہے تو کیا
یہ تو وہ دور ہے، بہرا سُنے، اندھا دیکھے

افسردہ دل، افسردہ گُنڈ، انجمنے را
وہ پھول بھی دیکھے ہیں جو پامالِ خزاں تھے

کیا طُرفِ مصیبت ہے یہ اے بے خودی شوق
ہم آج یہاں تھے، نہ وہاں تھے، تو کہاں تھے

بے چالے صفی نے تو طبیعت نہیں بدلی
ہاں آپ میں یہ قاعدے قانون کہاں تھے

ہم کیا ہیں صفی، قیس کو فرہاد کو دیکھو
جب زندہ تھے بیچالے تو رُسوائے جہاں تھے

روکتے لوگ اُن کو ملنے سے
اور پڑتے جو خواب کیا کرتے

عشق نے ہم کو بے گھرا تو کیا
اور عالی جناب کیا کرتے

وہ جلوہ اور طورِ مقدّر پہاڑ کے
کیسی شراب کس کو پلا دی پچھاڑ کے

دل کو کسی کی بزم میں کہہ دی ہے خیر باد
بیٹھا ہوں آج اپنے چہیتے کو کاڑ کے

بچے نہیں ہیں آپ کھلونا نہیں ہوں میں
جب جی میں آئی پھینک دیا تو تار کے

ہو واقعی جو نخل، کوئی نخل آرزو
میں آج پھینک دوں اُسے بڑے کھاڑ کے

میری طرح نہ بیٹھو گے نکلا ذرا سی دیر
پڑ جائیں گے مریہ جو تمہیں پھیر چھاڑ کے

دنیا کے رنگ اپنے دیکھے ہیں کیا ابھی
زندے کے دوست بن گئے نہ مرنے کو کاڑ کے

ہنگامہ اور اُس پہ پھر ہنگامہ حشر کا
مجھ تک کہاں آئیں گے وہ چہر چھاڑ کے

آلائشِ زمانہ سے دامن بچا صفی
”گمنا بھی بیٹھتا ہے جگہ اپنی جھاڑ کے“

مر جائے سائل آج ہی سراپن اچھوڑ کے
اُس نے تو منہ پہ رکھ دیا ٹکڑا سا توڑ کے

انکار بھی کیا تو کیا اس ادا کے ساتھ
گردن جھکا کے، اور بہت ہاتھ جوڑ کے

پوچھو اُسی کے دل سے مزے اس کمال کے
جس کو بُرا وہ کہتے ہیں اپنے پہ ڈال کے

آنکھیں نکال ڈالے مُشتاقِ رید کی
لیکن نہ دیکھیے اُسے آنکھیں نکال کے

مقدور ہو تو اے غمِ عیشِ وصالِ یار
تجھ کو کھلا دوں اپنا کلیجہ نکال کے

یوسفؑ سا پاکِ از حیں ہاتھ لگ گیا
بے شک تھے تیرے دام زلیخا حلال کے

غلامِ شوق کے بندے بنے تمنا کے
غریب لوگ رہے دین کے نہ دنیا کے

یہ کیسے چھینٹے ہیں ہم مشربوں کے اے ساقی
کسی کا اُن میں سے کچھ پی کے ہوں نہ کچھ کھا کے

صفی ہے اور پھر اُس کی گلی ہے اے توبہ
سنجھل سکا نہ یہ سو بار ٹھو کریں کھا کے

بے ذائقہ ہیں جو رستمِ آسمان کے
پکوان پھینکے نکلے اس اونچی دکان کے

میں ہوں اُس سرزمین کی خاکِ صفی
 ابرِ برسا کیے جہاں مہن کے
 اُن کے خلاف ہوتی ہے جو بات بحث میں
 مطلب نکالتے ہیں بہت کھینچ تان کے
 کچھ مے رُخوں کے پیار سے حال نہیں صفی
 تارے تو ہاتھ آتے نہیں آسمان کے

بانگن جس کسی کو آیا ہے
 اُس کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے

اُس نے جو پھر مجھے ستایا ہے
 آزمانے کو آزمایا ہے!

عشق کی آگ ہے وہ ظالم آگ
 جس نے زندہ ہمیں جلا دیا ہے

آزمانا تمہیں نہیں آیا
 ہم نے سو بار آزمایا ہے

اُس نے شرما کے منہ جو پھیر لیا
 ہم یہ سمجھے ادھر بلایا ہے!

جھوٹی تسکین دینے والوں نے
 دل دہی کر کے دل دکھایا ہے

وقت کو اے صفی بُرا نہ کہو
وقت پیغمبروں پہ آیا ہے

اُس کو تقدیر کا دھنی کہیے
جس نے سب کھوکے اُس کو پایا ہے

پکبتیاں غیر پہ کسنے کو ہے تیار صفی
اور اُس پر کبھی ہنسیے تو خفا ہوتا ہے

کوئی چیز ایسی نہیں ہے صفی
حقیقت میں انسان کیا چیز ہے

غمِ عشق سے ہے مری آبرو!
صفی اُس کا کھایا پیا چیز ہے

کسی کو تو خاطر میں لائے صفی
ارے یہ مکبّر بُری چیز ہے

صفی کی آبرو ہے آپ کے ہاتھ
بُرا ہے یا بھلا ہے آپ کا ہے

مُنہ ہے کچھ اُترا سا، بھڑائی ہوئی آواز ہے
خیر تو ہے کیا مزاجِ دشمنانِ ناساز ہے

پھرتا ہے صفی کوچہ بہ کوچہ جو شبِ روز
کم بخت کے پاؤں میں سیخّر تو نہیں ہے

اپنی صورت کو دیکھ دیوانے
میری صورت کو گھورتا کیا ہے

سمجھ والوں کو دولت ہے، کسوٹی اہل دولت کی
بہت جلد اس میں ہر کھوٹا کھرا معلوم ہوتا ہے
صفی کا رنگ دیکھو اور پہناوے کو بھی دیکھو
کہ ایسا رند کیسا پارسا معلوم ہوتا ہے

کس کو آرام، کس کو راحت ہے
زندگی قیدِ بامشقت ہے

طرز غالب کی ریس اردو میں
شاعری تو نہیں، حماقت ہے

دل کو تیربان کر دیا اُن پر
اب مجھے عمر بھر کی فرصت ہے

وہاں ارشاد ہے فرصت سے بلیے
یہاں مرنے کی بھی فرصت نہیں ہے

صفی ہے خوش قیافہ، اجتہادی
یہ مولانا نہیں، حضرت نہیں ہے

آدمی جلوؤں میں گم دن رات ہے
دیکھنے کو سامنے کی بات ہے

بدحواسی عشق میں دن رات ہے
زندگانی ہو ہو سکر ات ہے

تیری ہر اک بات میں اک گھات ہے
واہ کیا کہنا تر ا، کیا بات ہے

ہم نشیں، خاموش، جی گھبرا گیا
یہ تری باتیں ہیں یا برسات ہے

آدمی اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے
نیک و بد دنیا کا ہاتھوں ہاتھ ہے

دوست نے وعدہ کیا ہے دوستو
آج میرے جاگنے کی رات ہے

کیوں پڑھا تھا، اُن کی صورت پر درو
اب تو میرے نام پر صلوات ہے

حسن سے خالی صفی کی شاعری
غیب سے خالی خدا کی ذات ہے

جو چاہتا ہے، اُس کا بُرا چاہتے نہیں
اچھا تمہیں کہو، یہ کہاں کا رواج ہے

کم بخت بیچ والوں کی کب تک خوشامدیں
جھوٹوں کو موت آنے کہ روز، آج آج ہے

ہم آپ کیا کہیں، کہ نسب ہی ہے کس طرح
خود سوچ لے، اگر کوئی مُنصف مزاج ہے

ہر دم جو تیری دُہن ہی میں بیٹھا ہوا دہوں
آخر کچھ اور بھی تو مجھے کام کاج ہے

سب کو پیاری یہ جان ہے سچ ہے
”جان ہے تو جہان ہے“ سچ ہے

نہیں رہتی کسی کی شانِ مُدام
یہ خدا ہی کی شان ہے سچ ہے

یاد سے اُس مُصحفِ رُخ کی یہ بندہ شاہ ہے
وہ نہیں ہے دوزخی قرآن جس کو یاد ہے

آدمی کے واسطے ہے لذتِ اکلِ حلال
اوجھ بھر لینا تو ہر حیوان کو بھی یاد ہے

پوچھنا کیا، قہرمانِ عشق کی سرکار کا
درد و غم میں بھی رعلا شادِ مُلکِ آبا ہے

جس کا دل اُلٹھا، اُسے جھوٹی تسلی تک دی
آپ کو دینا نہیں ہے یاد لینا یاد ہے

ہو کا اک میدان ہے اب میری دُنیا کے خیال
میں ہی میں ہوں کوئی آدم ہے نہ آدم زاد ہے

آپ کو پہچان اگر اب تک نہیں استاد کی
جو صفی کو کچھ نہ سمجھے، بس وہی استاد ہے

آنکھ میں ہیں تیرے جلوے، دل میں تیری یاد ہے
اور لب پر ”چشمِ مارِ روشنِ دلِ ماشاد“ ہے

دوستی میں ان سے شکوہ دشمنی کا کیا کر دوں
صاف کہہ دیں گے کہ دعویٰ خارج از معیا ہے

حضرتِ دل کی بات خاکِ سنوں
میری مٹی پلید ہوتی ہے

یہی کرامت ہے جھک کے ملنا بھی
اس سے دُنیا مُرید ہوتی ہے

اچھے گن دیکھ، اچھی شکل نہ دیکھ
سَنکھیا بھی سفید ہوتی ہے

اُس کے وعدے پہ جمی رہا ہے صفی
ہائے کیاشے اُمید ہوتی ہے

نالہِ دلِ دوز سے اے چرخِ بچنا ہے محال
یہ کبھی خالی نہ جائے گا ہمارا وار ہے

کل کسی کالی زباں والے نے کوسا تھا اُسے
آج رستے میں سنائیں نے صفی بیما ہے

بس اب راضی خوشی سے اُس پہ مَر مٹنا ہی بہتر ہے
یہ دُنیا جس میں دُنیا جی رہی ہے، مَوْت کا گھر ہے

یہ تکیہ اور بستر ٹھاٹ ہیں سب اہلِ دُنیا کے
جنہیں اُس پر ہے تکیہ، اُن کو تکیہ ہے نہ بستر ہے

نہ پوچھو ہائے بیمارِ ان غم کی زندہ درگوری
اسی پر جی رہے ہیں ”مَوْت کا اک دن مقرر ہے“

گھڑی بھر بھی زمیں پر آج کیوں تلوے نہیں ٹھکتے
کہاں تشریف لے جانا ہے، کس کا دم لبوں پر ہے

کہیں دل کھوکے دہیٹھے ہیں دشمن کی برابر میں
برابر ہے کہ ”بے دل دوست دشمن کے برابر ہے“

حضورِ دوست، منہ سے کیا نکالوں بزمِ دشمن میں
الہی! دم بخود ہوں ”غیر کا گھر تھوک کا ڈر“ ہے

جہاں اُس کی اماں ہو، لاکھ دشمن ہوں تو کیا پر و
دہاں جالے کو مکڑی، اور انڈے کو کبوتر ہے

صفی کو طفلِ مکتب جانتے ہیں اس لیے شاعر
کہ ہر اک شعر اُس کا بچے بچے کی زباں پر ہے

کہیں آنسو نہ ٹپکے آنکھ سے دشتِ محبت میں
نہیں ہے شیر کا ڈر ہے تو ٹپکے کا یہاں ڈر ہے

نہیں بڑھتے ہیں اپنی حد سے زندے ہوں کہ مرنے ہوں
سب اتنے پاؤں پھیلاتے ہیں، جتنی ان کی چادر ہے

مرے کرتب سے میں واقف ہوں اس کو غیر کیا جانے
مگر وہ پرورش کرتا ہے بے شک بندہ پرور ہے

نہیں ممکن خلاف طبع، اک آنسو کا پی جانا
بھلا ہم دم، یہ ہیکے کی کنی کیا لقمہ تر ہے

یہ دو باتیں ہیں بس اے چارہ گر، آگے تری مرضی
جو غم نکلے تو اچھا ہے، جو دم نکلے تو بہتر ہے

صدوسی سال وہ باقی رہے دُنیاۓ فانی میں
صفی جس نے مری نسبت کہا ہے یہ قلم دے ہے

ستمگر ایک مجھ سے دوستی ہے
مگر دُنیا تو ہم کو کوستی ہے

لیں طاعت آج، اور ہو فردوس کل عطا
”یہ نوکری تو نقد ہے، تنخواہ اُدھار ہے“

کہہ دی صفی کی عرض یہ کیوں بے دلی سے ”ہاں“
اے دوست، ایسی ”ہاں“ کا ”نہیں“ میں شہا ہے

کوئی مجنوں کی عزت، عشق کی سرکار میں دیکھے
بڑی خدمت پہ ایسا آدمی مامور ہوتا ہے

حَیْنُوں کا تن زُل بھی نہیں ہے شانِ خالی
بُڑھاپے میں بھی ان لوگوں کے مُنہ پر نور ہوتا ہے

تجھے مشہور ہونا ہے تو عسا شق کی بُرائی کر
بُرائی سے بہت جلد آدمی مشہور ہوتا ہے

کہاں کی شانِ کس کی آن، کیسی جان کی پروا
بُھگت لیتا ہے سب جب آدمی مجبور ہوتا ہے

مجھے تم جانتے ہو، عقل سے معذور، ہاں، بے شک
محبت کرنے والا عقل سے معذور ہوتا ہے

ہمیں ہر ایک ہو سکتا نہیں، بے شک صفی بے شک
وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے

چشمِ ترا مُڈی ہے، زخمِ دل جو آتشیں بیز ہے
زور کی بارش پڑے گی دھوپ اب کے تیز ہے

اُن کے دل میں واقعی میری محبت کچھ نہیں
میں سمجھتا تھا، دروغِ مصلحت آمیز ہے

آپ کے تیور سے پہچانی صفی نے دل کی بات
سچ ہے یہ آفت کا پر کا لا بُرا ہی تیز ہے

غلو ہے اے صفی میری غزل میں
مگر اتنا کہ آٹے میں نمک ہے

ہر کسی سے ہے لڑائی، ہر کسی سے جنگ ہے
بندہ پرور آپسے سارا زمانہ تنگ ہے

چور، جادوگر، لڑاکا، بے مروت، فتنہ ساز
قافیہ میرا، تری آنکھوں سے بالکل تنگ ہے

بات کرنے کی تمنا تھی تو اس کے روبرو
یوں چلے جیسے کہ اپنے پاؤں میں کچھ لنگ ہے

اے صنفی، ہم ان کو اب تو خط بھی لکھ سکتے نہیں
آج کل کچھ ہاتھ ہی ایسا ہمارا تنگ ہے

ایک دن دے کر تسلی آج تک طعنے دیے
میں نہیں کہتا ہوں ”فدوی آپ کا ممنون ہے“

دل کی بے چینی جو دیکھی، ہم کو رونا آگیا
لاکھ بد سے بد ہے، آخر ایک ہی تو خون ہے

تپ چڑھی، گھٹی نکل آئی، یہی ہے شور و غل
اے صنفی، اس ملک سے جھاگو، یہاں طاعون ہے

محبت ہیں ہی آرام ہے تو اس سے دُرگزر
ہجوم شوق پر پتھر پڑیں سینے پر اکسل ہے

ہمارا دل تو دیکھا، آزمایا، آپ نے ہم کو
ذرا ہم بھی تو دیکھیں، آپ کا کتنا بڑا دل ہے

اللہ کو پکارا، اگر کوئی کام ہے
 بندے ہزار نام کا یہ ایک نام ہے
 جو کچھ سنا تھا، چار میں وہ عرض کر دیا
 جانے دو واقعہ نہ سہی، اتہام ہے
 ہم کیا ہیں تہمتوں سے پیمبر نہیں بچے
 نادان، کیا زمانے کے منہ کو لگام ہے
 اب دوست سے غرض ہے دشمن سے کام ہے
 دونوں کو دونوں ہاتھ سے اپنا سلام ہے
 دھندے میں پیٹ کے ہے گرفتار سب جہاں
 ہر ایک دانہ دوسری صورت میں دام ہے
 تو خود بھی اپنے در کے فقیروں کی شان دیکھ
 دنیا مُرید اور زمانہ غلام ہے
 وحشت بھی ہو تو کب ہیں جنگل سے کام ہے
 گھر میں آودھ کی صبح بنارس کی شام ہے
 آوارگانِ عشق کا ظاہر نہ دیکھیے
 ان دل جلوں پہ آتشِ دوزخ حرام ہے
 اب تو ہم صاحبِ سلامت سے گئے گزے ہو
 واہ صاحب! کیا مُسلمانی ہے کیا اسلام ہے

اُس ستمگر سے اُسے کوئی تعلق ہی نہیں
ہائے بے چارہ صفی تو مُفت میں بدنام ہے

کیا تعجب، جو ہو وصال میں وصل
کام میں کام بھی تو ہوتا ہے

دشمنوں کا دہی دن میں سب بھرم کھل جائے گا
اُن کی ساری شان و شوکت ایک میر دم سے ہے

جھوٹے مُرنے کوئی تسلی بھی نہیں دیتا کبھی
پھر یہ کیوں صاحبِ سلامت اپنی اک عالم سے ہے

سب صفی کی آہ پر بے ساختہ کہتے ہیں واہ
اس کا رونا بھی مگر کچھ تال ہے، سُم سے ہے

”مجھے تم سے محبت ہے“ کہا تھا
تھا صاف ہے ”بتا ہے تو کہاں ہے“

صفی اپنے پُرانے واقعوں پر
نئے پُل کا چمن یاد آ گیا ہے

میری رندی میں تیرا خریچ کیا ہوتا ہے آواغظ
مسلمان کو بُرا کہتا ہے تو کیسا مسلمان ہے

جگر میں اور دل میں فزق ہے اُنیسے^{۱۹} نیسے کا
قلق دونوں کو ہے، ہاں ایک دایاں ایک بایاں ہے

غرض کا بندہ، عابد کیا، اطاعت کیا ہے عابد کی
کہ دل میں حُور ہے، سر میں ہوائے باغِ رضواں ہے

لڑا کر ٹیکٹکی، میں نے پلکِ دانستہ ماری ہے
وہ آنکھیں اور آنسو جیتنے کی شرط ماری ہے

اے کافر، تجھے کیسا نہ سمجھوں، جان سے پیارا
نہیں ہے اک مجھی کو سب کو اپنی جان پیاری ہے

کو ترکِ وفا جس سے، اُسے قدرِ وفا ہوگی
ذرا دنیا سے منہ پھیرو تو پھر دنیا تمہاری ہے

تنِ خاکی، اٹا اے رُوح کے، کیا اے صفی سمجھے
کہ یہ ”بھاڑے کا ٹٹو“ مانگے تانگے کی سواری ہے

بگڑ کر بات پھر کچھ کچھ بنی ہے
وہی ہم ہیں، وہی جاں کنڈنی ہے

کیا وہ کام ہم سے ساتھیوں نے
کہ سالتے سے بھی اپنے بدِ نطی ہے

نہ دیکھو میری صورت یوں بگڑ کر
ذرا دیکھو تو کیا صورت بنی ہے

استراحت نہیں نصیبِ صفی
دردِ شبِ زندہ دار ہوتا ہے

دل دُکھے کیوں نہ اُس کی باتوں پر
دوست تو دل دُکھا کے کہتا ہے
اے صفتی کیوں بہار کے قصے
”پھول پتے لگا کے کہتا ہے“

بے کسی میں کیوں کسی کا نام لوں
جب خدا کے نام میں تاثیر ہے

کون بے پیر کہے گا اے صفتی
روزِ پیدائش ہی میرا پیر ہے

سچ ہے جس کو خدا خراب کرے
ہر طرح سے خراب ہوتا ہے

اُن کی دہلیز یہ پڑا ہے صفتی
اب یہ عالی جناب ہوتا ہے

عشق ہی اک صفتِ خاص ہے ایسی جس میں
نام کا نام ہے، رُسوائی کی رُسوائی ہے

گم یہ خوں سے یہاں رخصتِ بینائی ہے
اور وہ پوچھتے ہیں، آنکھ تری آتی ہے

ذوقِ نظارہِ مقدر سے ملے تو مل جائے
یوں تو ہونے کو ہر اک آنکھ میں بینائی ہے

غرض کا بندہ، عابد کیا، اطاعت کیا ہے عابد کی
کہ دل میں حُور ہے، سر میں ہولے باغِ رضاں ہے

لڑا کر کھٹکی، میں نے پلکِ دانستہ ماری ہے
وہ آنکھیں اور آنسو جیتنے کی شرط ماری ہے

اے کافر، تجھے کیسا نہ سمجھوں، جان سے پیارا
نہیں ہے اک مجھی کو سب کو اپنی جان پیاری ہے

کو ترکِ وفا جس سے، اُسے قدرِ وفا ہوگی
ذرا دُنیا سے مَنہ پھیرو تو پھر دنیا تمہاری ہے

تنِ خاکی، اشلے رُوح کے، کیا اے صفی سمجھے
کہ یہ ”بھاڑے کا ٹٹو“ مانگے تانگے کی سواری ہے

بگڑ کر بات پھر کچھ کچھ بنی ہے
وہی ہم ہیں، وہی جاں کنڈنی ہے

کیا وہ کام ہم سے ساتھیوں نے
کہ سلتے سے بھی اپنے بد نظمی ہے

نہ دیکھو میری صورت یوں بگڑ کر
ذرا دیکھو تو کیا صورت بنی ہے

استراحت نہیں نصیبِ صفی
دردِ شبِ زندہ دار ہوتا ہے

رکھتے ہیں مجھ کو تشنہ دیدارِ وصل بھی
یہ بھی خبر ہے پیاس بجھانا ثواب ہے

کھلتی نہیں ہیں حُسن کی عِالم فریبیاں!
اندھوں کی سیر اور یہ گُونگوں کا خواب ہے

تجھ کو بُرا جو کہتے ہیں سب، غم نہ کر صفی
اچھوں کے واسطے یہ زمانہ خراب ہے

کھینچی تھی ایک آہ کبھی اُن کے سامنے
برسوں گزر گئے، مجھے اب تک ملال ہے

میں گشتہ ادا ہوں تو دل اُن سے کیا بچاؤں
زندے کے اختیار میں، مرنے کا حال ہے

جی میں ہے روپ بھر کے فقروں کا اے صفی
کہتا پھروں ”فقیر کی صورت سوال ہے“

کوئی آخرت شمارانِ شبِ غم سے ذرا پوچھے
گجہ دم ٹھنڈی ٹھنڈی سی ہوا کیا چیز ہوتی ہے

صفی نے خونِ دل کھایا تو اشکوں میں بھی رنگ آیا
خدا کی شان، انساں کو غذا، کیا چیمہ ہوتی ہے

جگہ میں درد ہے کب پر نغماں ہے
جہاں جو چیز ہونی تھی وہاں ہے

حسینوں کو غرور اپنا سا بخشا
ہر اللہ میاں بھی بس میاں ہے

تری محفل میں تو موجود ہیں سب
صفی اور نگ آبادی کہاں ہے

تجھ سے چھٹے، تو اپنا جہاں جی لگا، گئے
یہیوں آج تم کو اتنی بڑی چھان بین ہے

قتل کرنا ہی محبت کا اگر دستو ہے
میرے سر آنکھوں پہ جو کچھ آپ کو منظور ہے

اک جوانی، دوسرا حسن، اب وہ میری کیا سنے
آج کل ایسے باہر ہے، نشے میں چوہ ہے

مجھ کو حیرت ہے، متفی کو وہ نہیں پہچانتے
پتھر پتھر جانتا ہے، شہر میں مشہور ہے

ہم نے بھی تیرے واسطے تکلیف ہی ہے
آ، پاس آ، منہ چوم لوں، کجا بات کہی ہے

لکھا ہے حساب اس میں حسینوں کی بھفا کا
دیوان متفی کا ہے کہ بنیے کی بھی ہے

غریبوں کو ستاؤ، مار ڈالو، بے نشان کر دو
نہ کوئی کہنے والا ہے، نہ کوئی سننے والا ہے

کیوں مری پر سش کو آئے کیوں قدم رنجہ کیا
بندہ پر ورا آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے

آپ ہیں میں ہوں، کوئی اب دخل در معقول کیوں
مُسفتے آئے ہیں کہ ”دو میں تیسرا شیطان ہے“

اُن سے اب تک تو نہ بھی جاتی ہے اپنی لے صفی
ورنہ ہم کیا چیز، یہ اللہ کا احسان ہے

تمہیں کیا کام، اگر رونا کسی کا بے تماشا ہے
چلو رستہ سنبھالو، یہ بھی کیا کوئی تماشہ ہے

زمانے کا ہر دم نیا ٹوپ ہے
کبھی چھاؤں ہے تو کبھی دھوپ ہے

دوست بیمار ہے تو کیا پوچھوں
دشمنوں کا مزاج کیسا ہے

کچھ اس طرح دل دشمن کا داغ جلتا ہے
کہ جیسے چور کے گھر میں چراغ جلتا ہے

صفی ہی سے صفی کے شعر سنئے تو مزا آئے
مُصنّف کی زباں سے خوبی تصنیف مکتبی ہے

دیوان کو صفی کے نہ پا مال کیجیے
کچھ تو لحاظ کیجیے آخر کتاب ہے

صفی یہ قائل و معقول، معشوقوں سے لے تو بہ
اے کجخت عاشق ہے کہ فخر الدین رازی ہے

سامنے میں بھی ہوں، لیکن وہ ہے اور اجا ہے
میرے اُن کے نیچ میں اب کاغذی دیو ہے

دُم آخر زباں پر بس اُسی کا نام آتا ہے
خدا بندے کے آڑے وقت میں بھی کام آتا ہے

پانی بھر آیا منہ میں تری شکل دیکھ کر
جو آنکھ میں مزہ ہو وہ میری زباں میں ہے

پابندِ وضع ہم نے صفی سا نہیں سنا
یہ بندہ خدا بھی عجب ناقہ مست ہے

ہے صفی بھی عجیب مردِ خدا
اس کو دل سے دُعا نکلتی ہے

اور کچھ کام ترے چاہنے والے کو نہیں
بیٹھتے اُٹھتے تجھے یاد کیا کرتا ہے

زمانے کا ہر دم نیا روپ ہے
کبھی چھاؤں ہے تو کبھی دھوپ ہے

کیوں خفا ہوتے ہو میں خود ہی چلا جاتا ہوں
تم کو تکلف، اُٹھا نہ کر، ضرور ہے کہ ہے

جی میں آتا ہے کہ اک نالہ بھی کر کے دیکھ لوں
چوک جاگے تو نہ تھکا، لگ گیا تو تپ رہا ہے

نوش ہے وردِ یارِ قیُبِ سُن کے وہ کافر ادا
کیوں نہیں بے شک خدا کے نام میں تاثیر ہے
کچھ بڑے بوڑھے صفی کو کچھ نہیں سمجھیں تو کیا
آج کل کے نوجوانوں کے توحق میں پسر ہے

اھل دل بے وفا نہیں ہوتے
تم نے کیسوں کو آزمایا ہے

مجھ کو حیرت ہے صفی کو وہ نہیں پہچانتے
بچہ بچہ جانتا ہے شہر میں مشہور ہے

دولت ملے صفی کو تو کیا جانے کیا کرے
کا ہے میں کچھ نہیں ہے تو اتنا غرور ہے

اس کو خیالِ عشق و محبت ضرور ہے
لیکن کھچا کھچا ہے ذرا دُور دُور ہے

ملنے کو کھج کے ملتے عدو سے بھی ہم مگر
اخلاق سے بعید مروت سے دُور ہے

یہ تو کیسے ناصحوں کی مَت کدھاری گئی
خیر دیوانہ تو اپنے میں نہیں دیوانہ ہے

نہ بھاگ ہم سے، نہیں یاد حال یوسفؑ کا
کہ بھاگتے ہیں تو تہمت لگائی جاتی ہے

نہ سمجھو مہنس کے وہ یوں ہی مجھے رلاتے ہیں
یہ مجھ سے اپنی لگائی بجھائی جاتی ہے

اپنے سائے سے بدگمانی ہے
چشمِ بد دور، کیا جوانی ہے

خود کو عاشق کہا تو اُس نے کہا
”کیسے عاشق کی کیا نشانی ہے“

بندوں سے سوال کرنے والو
اللہ کے پاس کیا کمی ہے

اکسیر بنادے مجھ کو اے عشق
مولا ”اک آبخ کی کمی ہے“

پیسری میں نہ رکھ تو سانس کی آس
رستی بودی ہے، بے دمی ہے

آپ کی بات ہی نرملی ہے
کون ہے عیب سے جو خالی ہے

وہ کسی دن بگڑنے والے ہیں
اُن سے اک روز ہونے والی ہے

تم نے میری جگہ رقیب کو دی !
خوب بر طر فی و بحالی ہے

دلِ سوزاں بنے گا گھس تیرا
اگ میں دلغ بیل ڈالی ہے

تم نہیں دل میں کچھ نہیں دل میں
”آج کل یہ مکان خالی ہے“

رند کو شیخ جی نے کیوں پھیڑا
”ایک منہ سے ہزار گالی ہے“

نہ اُس کی دوستی کچھ ہے نہ اُس کی دشمنی کچھ ہے
کبھی تو لہ کبھی ماشہ کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے

دیوانہ کہہ دیا، جسے دیوانہ ہو گیا
تاثیر جس کو کہتے ہیں اُن کی زباں میں ہے

ملحوظ روزِ مرہ محبوبؔ رکھ صفی
اللہ کا کلام، نبیؐ کی زباں میں ہے

وہ رقیبوں کے گلے روتے ہیں میرے رُبد
حضرتِ دلِ اُسینے یہ کچھ اور ہی مضمون ہے

جائیں گے ایک دن عدم آباد کو ضرور
گو کچھ نہیں ہے پھر بھی ہمارا وطن تو ہے

پلٹا زمانہ اور نہ پلٹے ہمارے دن
اب ہم ہیں اور گردشِ لیل و نہا ہے

دکھایا دل تو بس اک اُونہ کر دی میں یہ سمجھا تھا
اُنھیں آنکھیں بھی ہیں جن سے اُمیدِ قدردانی ہے

نہ رو کر اپنے افسو پی لیے میں نے تو وہ سمجھے
یہ ہے تھوڑے سے پانی میں ذرا سا اُس کا پانی ہے

پھرتا ہے صغی کو چہ بہ کو چہ جو شبِ دروز
کمِ سخت کے پاؤں میں سیخِر تو نہیں ہے

کیوں پڑا تھا اُن کی صورت پر دُرُ
اب تو میرے نام پر صلوات ہے

کسی کا دل، کسی کے بس میں کر دے
کسی بندے کی یہ قدرت نہیں ہے

وہاں ارشاد ہے فرصت سے ملے
یہاں مرنے کی بھی فرصت نہیں ہے

جو بھلا کرتا ہے اللہ کے بندوں کے لیے
غیب سے اُس کا بھی ہر کام بھلا ہوتا ہے

تجھ سے اگڑھٹے تو جہاں جی لگا گئے
کیوں آج تم کو اتنی بڑی چھان بین ہے

دیکھ غفلت نہ کر اے میرے دلانے والے
تُو نے جو آگ لگائی ہے مجھی جساتی ہے

صفی بھی کس قدر نادان ہے شاعر ہوا تو کیا
اُسے لوگوں سے جیتے جی اُمیدِ دردانی ہے

اب نہیں پوچتے وہ آنسو بھی
مگر یہ خوں جو رنگ لایا ہے

اُس نے کھایا فریب لاکھوں کا
ہم نے جس کا فریب کھلایا ہے

رخصت وہ چاہتے ہیں الہی میں کیا ازلوں
ہر گھر میں صبح اور مرے گھر میں شام ہے

دعا دیتے ہوا اپنے چاہنے والوں کو جینے کی
خدا تم کو سلامت رکھے یہ بات اور ہی کچھ ہے

الہی جان پر میری بنی ہے
کسی کی دوستی بھی دشمنی ہے

عاشقی تو گلے پڑی ہے صفی
اب خدا جانے اس میں کیا کیا ہے

ہو جہاں بھی جمالِ با عظمت
بحرِ سُر پہ سوار ہوتا ہے

کیا کیا نہ ہوا، تیسری محبت جو رہی ہے
اللہ کو روشن ہے جو تکلیف سہی ہے

ہم نے بھی تو ترے لیے تکلیف سہی ہے
سو جان سے قربان ہوں کیا بات کہی ہے

دشمنوں کا دو ہی دن میں سب بھرم کھل جائے گا
اُن کی ساری شان و شوکت ایک میرے دم سے ہے

صفی صاحب تو شعر و شاعری میں غرق رہتے ہیں
خدا جانے نحوست کیسے یہ حضرت کو گھیری ہے

ترا صدقہ، ہر اک میخوار کا ممنون ہوں ساقی
گدائے میسکہ ہوں ہر دکان پر اپنی پھیری ہے

کھینچی تھی ایک آہ، کبھی اُن کے سامنے
برسوں گزر گئے، مجھے اب تک ملال ہے

قیس و فرہاد ہوں گے کیسے لوگ
آج تک جن کا نام چلتا ہے

ٹکڑی دیر سے تم نے جو ادھر باندھی ہے
آج کیوں ایسی سخاوت پہ مکر باندھی ہے

وقت انسان پہ اچھا نہ بُرا رہتا ہے
دغدغہ موت کا اُس پر بھی لگا رہتا ہے

مرا ہر آسرا ٹوٹا ہوا ہے
وہ کیا چھوٹے ہیں دل چھوٹا ہوا ہے

یہ سمجھو داستانِ جوئے شیر و کوہ کن پڑھ کر
اگر ہمت کرے انساں تو ہر اک کام آساں ہے

مجھے وہ جِسوہ بھی گونگے کا خواب ہے گویا
زبان پر نہیں کچھ بھی نظر میں سب کچھ ہے

صفی کو ہے سب کچھ خدا کا دیا
فقط کھانے کپڑے سے محتاج ہے

تو وہ ہے جو ہر ایک کی بگڑی سنوارے
میسری مُراد بھی مرے پر ورد گار دے

ایسا نہ ہو حقیقہ سمجھ لے کوئی مجھے
ایسا نہ ہو کوئی مجھے دل سے اُتار دے

میں خود اسیرِ ہستی ناپائیدار ہوں
مجھ کو تیری خدائی کا صدقہ اُدھار دے

داتا کی شان یہ ہے کہ جاری ہو اُس کی دین
سائل کا شیوہ یہ ہے کہ دامنِ پسا دے

یا کوئی تیرے بندوں میں ایسا مجھے بتا
پائے کی طرح نفس کے مُوزی کو مار دے

”رُبَاعِمَات“

میں نے جو سببِ صفتی سے پوچھا غم کا ؛ اک راگ الاپا ہے عجب سُرمِ گم کا
کہنے لگا کچھ کا کچھ، بکی انٹ کی سنٹ ؛ ایسا، ویسا، فلانا، امکا، ڈھمکا

پھر کیوں رہے گا تم سے دشمن ٹیڑھا ؛ کہتے ہو کہ شاعری کا ہے فن ٹیڑھا
پوری وہی گت ہوئی تمھاری تو صفتی ؛ آئے نہیں ناچنا تو آنکُن ٹیڑھا

چل جائیں نہ تجھ پہ حرص و لالچ کیجے ؛ دوزخ کو نہ مول بھائی اجنت کو نہ بیچ
او ایک نہ ایک روز مرنے والے ؛ دُنیا بیچ است و کارِ دُنیا ہر بیچ

ظاہر کو نہ دیکھا دیکھا ناواں بسٹھل ؛ اُنکل پہ قیاس کر نہ اعلیٰ اسٹھل
حسنِ صورت پہ جان دینے والے ؛ سونا، سونا ہے اور پیتل، پیتل

میلے ٹھیلے کی جب خبر پاتے ہیں ؛ دس بیس کو گھور کے چلے آتے ہیں
ساری دُنیا تو دل کو بہلاتی ہے ؛ ہم ہیں کہ صفتی نظر کو بہلاتے ہیں

لوگوں سے ہر ایک ڈھب سے مل جُل کے رہو ؛ اب تک نہ رہے تو اب سے مل جُل کے رہو
دُنیا میں اگرچہ نیک و بد سب ہیں صفتی ؛ رہنا ہے یہاں تو سب سے مل جُل کے رہو

کہنے دو بُرا۔ بروں کے منہ پر نہ پڑھو ؛ اچھے ہو صفتی ! اچھوں کی حد سے نہ بڑھو !
توبہ کرو ! انسان کو اتنا غصہ ؛ پانی پیو ! شیطان پہ لا حول پڑھو !

سویار ہوئی ہے غدر خواہی توبہ ؛ میں اور خیال بے گناہی توبہ
عاصی، عاصی ہوں میرے مالکِ عاصی ؛ توبہ توبہ ہے یا الہی توبہ !!

تصویرِ تودہ ہے نہ ہے جس سے نکلا ؛ کوئی کہے واہ تو، تو کوئی کھینچے آہ
تصویرِ وہ کیا ہے کہ جو دیکھے وہ کہے ؛ لاحول ولا قوۃ الا باللہ !

سُنتے تھے جو لوگوں کی زبانی سچ ہے ؛ ہر قصہ صحیح ، ہر کہانی سچ ہے
ہم ؟ اور یہ دسواں ؟ الہی توبہ ! ؛ عشقِ است و ہزار بدگمانی سچ ہے

الفت کا مزہ جب ہے کہ مرجائے تو جائے ؛ یہ درد سراپا ہے کہ سر جائے تو جائے
جب ذوقِ یہ فرمائیں تو میں کون صفی ؛ دل جائے تو جائے اب جگر جائے تو جائے

عاشق ہوئے برباد بھی ہو جائیں گے ؛ ہم دل کی طرح جان بھی کھو جائیں گے
جو روزِ مہینی نیند نہ آئے گی صفی ؛ اک رات کو کچھ کھلے ہی سو جائیں گے

یارِ ب کیسے وہ آدمی ہوتے ہیں ؛ مُردوں سے جو شرطِ باندھ کر سوتے ہیں
تارے ڈوبے، گجر بجا، صبح ہوتی ؛ ہم شام سے آج نیند کو روتے ہیں

گردشِ قسمت کی خاک چھنوتی ہے ؛ اک بات بنی تو اک بگڑ جاتی ہے
آتے ہیں جو وہ تو ہوش اڑ جاتے ہیں ؛ آتے نہیں وہ تو نیند اڑ جاتی ہے

کھو یا کہیں کچھ تو کچھ کہیں پایا ہے ؛ ادلا بدلا تو ہوتے ہی آیا ہے
طفلی میں صفی کھائی تھی ہم نے مٹی ؛ مرجانے پہ مٹی نے ہمیں کھایا ہے

سو راج مری بے کسی کا اب تک نہ ڈھلا ؛ ارمان کوئی ذرا بھی پھولا نہ پھلا
قائم رہے داتا تری لکھنٹ سکر ؛ دے بھی تو بھلا ہو جو نہ دے بھی تو بھلا

خود کو گنتا ہے سب سے ناداں اچھا ؛ خود ہی اچھا نہ اُس کا دیوان اچھا
پھر بھی مانو صفی کو اُسے اہل دکن ؛ باہر کے ولی سے گھر کا شیطان اچھا

اک دوست سے اک دوست پوچھا اُسے دوست ؛ اچھا ہوتا ہے بھائی اپنا یا دوست
اس دوست نے سوچ کر کہا اے بھائی ؛ بھائی بھی وہ اچھا ہے جو ہو اپنا دوست

جتنے بھی طغر سے پنج تن کے دیکھے ؛ دیکھا - انٹرمیاں ہیں اول بیٹھے
کیوں دیکھنے والوں کو شش پیچ نہو ؛ مشہور تو یہ پاؤں ہیں گنتی میں ہیں چھٹے

سب لوگ مجھے کیا کہوں کیا دیتے ہیں ؛ اللہ نے جو کچھ بھی دیا - دیتے ہیں
جو کچھ نہیں دے سکتے ہیں ایسے مجبور ؛ کالی دیتے ہیں یا دُعا دیتے ہیں

مطلب کے لئے وقت رکھو لیتے ہیں ؛ دیوانے ہیں آبرو ڈبو لیتے ہیں!
میں قابل التفات مجبور ترے ؛ کچھ ہو نہیں سکتا ہے تو رو لیتے ہیں

یہ گلشنِ عالم ہے صفی دو روز ؛ اُسے مردِ خدا تم بھی تو رکھو روز
ہم کو یہ تو کل نے پڑھایا ہے سہی ؛ مل جائے تو روزی ہے نہیں تو روز

کعبے کے سفر سے آئے واعظ تن کر ؛ گویا پھر سے بگڑ گئے ہیں من کر
نادانوں پہ دباؤ اللہ اللہ ؛ بچوں کو ڈراتے ہیں یہ حاجی بن کر

شاعر یہ مرے سامنے جب ہوتے ہیں : اندازِ سخن ان کے غضب کے ہوتے ہیں
کچھ پاسِ تخلص بھی نہیں ان کو صنفی : پرتے دادا سے بے ادب ہوتے ہیں

اب کے عربی دان ہیں عجیب خواہ مخواہ : رکھتے نہیں کچھ مذہب و ملت پہ نگاہ
شیطان کے نام پر پڑھ دیتے ہیں : لا حول ولا قوۃ الا باللہ

اللہ سے نڈر کہ خوفِ استاد نہیں : اور ہو رہے جگر کسی سے امداد نہیں
ہو گی جب باز پرس کیسا ہو گا : مٹھس تجھے آموختہ بھی یاد نہیں

غالب جو یگانہ کی نظر میں نہ چھا : اس پر ہے شاعروں میں کیوں شور مچا
حیرت کی جگہ کیا ہے اسے دیوانو : اس چودھویں صدی میں بھتیجا ہے چھا

”قطعات“

ہم نشین تجھ کو کھوج کیوں اتنی : کون تھا۔ کیا ہوا۔ کہاں بیٹھے
جس سے ملنا تھا ہم کو اس سے لے : بیٹھا تھا ہمیں جہاں بیٹھے
ہم بھلے گھر بھلا صنفی اپنا : اجنبی آدمی کہاں بیٹھے

دل ہوا غیب تو میں نے پوچھا : اب کوئی اس کو کیا ہی جانے
بھولے پن سے یہ جواب کس نے دیا : غیب کا حال خدا ہی جانے

تم اپنی بزم میں اتنا تو انتظام کرو : کہ قاعدے سے قرینے سے بیٹھے جو بیٹھے
ہے اس طرح درِ دولت پہ عاشقوں کا ہجوم : کوئی یہ سمجھے بھکاری ہیں بھیک کو بیٹھے

مجنوں کی قدر کچھ نہیں دربارِ عشق میں : امیدوارِ محکمہ خطابات ہے !!!

بے نیاز صلہ و مشکر سہی تیرا عمل : تیری آنکھوں میں تمنائیں کتنی بھی تھیں
مجھ کو صنعت کی نمائش میں کہاں لے آیا : کہ ترے شہر میں فاقوں کی نمائش بھی تھی

دیکھنے کو ہم نے بھی دیکھے ہیں صدِ آدمی : لیکن اب تک تو نظر آیا نہ ایسا آدمی
آپ سے دیوانہ پن کو ہم صفی کئے کیا کہیں : ہے تماشے کا تماشا آدمی کا آدمی

یہ بھی سمجھ چکا تھا سب کو ششیں عبث ہیں : جب دل میں میل آیا کیا خاک چھڑھائی

نالوں کو روکنے کی عادت بھی ہو چلی تھی : یہ بھی سمجھ چکا تھا ہے اس میں جگہ ہنسائی

دل بھی صفی ہے اپنا ہونٹ اپنے دانے اپنے : کس کی کریں مذمت کس کی کریں بُرائی

تن ڈھا کول تو آگ پرہن کو لگ جائے
دیک بگل کی تن بدن کو لگ جائے
کپڑا عزت کی چیز ہے مگر دست جنوں
تجھ سے جو بچاؤں تو کفن کو لگ جائے

مستزاد

ہم پر اب تیری وہ پہلی سی غایات نہیں وہ ملاقات نہیں
وہ تلافی، وہ تواضع وہ مدارات نہیں یہ تو کچھ بات نہیں

میرے گھر چلنے میں اب آپ کو تھکا رہے کیوں؟ آخر انکار ہے کیوں؟
کچھ اندھیرا نہیں آندھی نہیں، برسات نہیں دن بھی ہے رات نہیں

کیا کروں پھر میں اگر شکوہ اعدا نہ کروں
 تم نہ کرنے کی کرو اور میں پروا نہ کروں
 تم تو سب کچھ ہی کرو اور میں اتنا نہ کروں
 اپنی والی پہ جو آجاؤں تو پھر کیا نہ کروں
 جب ستانے کے سوا تم کو کوئی کام نہیں
 سوتے مرد سے نہ جگا دوں تو صنفی نام نہیں

کہا دل نے کہ اس شعر و سخن سے باز آئے ہم
 جو ہو بدنام سب میں ایسے فن سے باز آئے ہم
 اب ایسی چال سے ایسے جلن سے باز آئے ہم
 کہاں تک آخر اس یہودہ بن سے باز آئے ہم
 نہ ہوں مشہور اگر شاعر تو یہ ہم کو ہے آمتا
 مگر کہلا کے شاعر اچھے خاصے بھانڈ کیوں بننا

کہیں شادی ہوئی تو بس ہوئی سہرے کی تیاری
 کسی نے پائی خدمت تو قصیدہ لکھ لیا بھاری
 کسی کا سالی رحلت ہے بہ صد اظہار غم خواری
 کہیں سن ولادت میں شریکے حمت باری
 کروں کیوں شاعری میں کیوں بنوں گمراہ دیوتا
 پر اُسے گھر کی شادی اور عب ر اللہ دیوتا

اشرفی جن کے پاس وہ اشرف
 ہر کار جو ہر وہ سرکار

اور ایسے سخی کہ سائل کو
دیں نہ اک ہتھ۔ گالیاں دیں ہزار

موم دل کیا ہوں ایسے مٹھی چوس
شہد کھائیں نہ خود۔ جوہوں بیالہ

پانو میں بوٹ۔ آنکھ پر عینک
ہاتھ میں بید۔ اور منہ میں سگالہ

ہیں وہ محتاج تھڑکیوں کے لئے
کون ہا تکین دے جو ان کو ادھالے

یہ مہاجن بھی بعل میں لئے
بس ہمیشہ ہے ان کے سر یہ سوالہ

قدر مفلس کی کیا کرے مفلس
”خفتہ را خفتہ کے کند بیدار“

قرض خواہوں سے غلامی جو ذرا پائی ہے
رات میں کچھ مجھے آرام سے نیند آئی ہے

نہالوں کا نہ آہوں کا نہ یہ فریاد رنگ ہے
مری محنت خدا کی دیں ہے استاد رنگ ہے

۱. صنفی اور نگ آبادی کی شاعری تلاذہ صنفی ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ۱۹۹۱ء
۲. دبستان صنفی ڈاکٹر اشرف رفیع " "
۳. تمہری تبتلاؤ کہ ہم بتلائی کیا ؟ خواجہ حسین الدین عوی " "
۴. مرتب کے نام عبد الحفیظ محفوظ " "
۵. سخن ہائے گفتنی محبوب علیجاں انگر " "
۶. حرف آغاز اصلاحات صنفی " " ۱۹۹۳ء
۷. جائے استاد خالی است " " پروفیسر یوسف دست
۸. اصلاح سخن اور صنفی اور نگ آبادی " " پروفیسر یعقوب عمر
۹. حرفے چنا " " پروفیسر گیان چند جین
۱۰. صنفی اور نگ آبادی کی استادی " " نور الدین خاں
۱۱. فالوس اصلاح " " سید ظاہر علی مدلی
۱۲. صنفی بحیثیت استاد سخن " " ڈاکٹر محمد علی اثر
۱۳. خمریات " " پروفیسر یعقوب عمر ۱۹۹۵ء
۱۴. دکنی اردو میں خمریہ شاعری " " ڈاکٹر محمد علی اثر ۱۹۹۵ء
۱۵. اظہار رائے " " محمد نور الدین خاں
۱۶. صنفی اور خمریات " " سید فضل المثنیٰ چشتی
۱۷. صبوحی " " محبوب علی خاں انگر
۱۸. صنفی کے خطوط ایک مطالعہ " " انشائے صنفی، پروفیسر سلیمان اظہار جالبیدہ ۱۹۹۶ء
۱۹. انشائے صنفی " " محمد نور الدین خاں
۲۰. اظہار حقیقت " " محبوب علی خاں انگر
۲۱. صنفی کی شخصیت " " مصطفیٰ کمال احمد ؛ سب رس : خیروری ۶۷ ۱۹۶۷ء
۲۲. میر بہود علی صنفی ؛ خواجہ حمید الدین شاہ ؛ کاروان سخن : ۱۹۵۶ء
۲۳. اقتباسات ؛ سوانح عمری صنفی اور نگ آبادی ، محمد نور الدین خاں ۱۹۸۹ء
۲۴. صنفی اور نگ آبادی ؛ شخصیت اور شاعری جائزہ مقالہ بڑا مقالہ ایم اے (اسٹری) محمد عبدالغفور ۱۹۷۷ء

د صفی سے متعلق مضامین رسائل میں :-

۱. صفی اور رنگ آبادی علامہ شگیر علی سیالوی میگزین، فروری ۱۹۵۵ء
۲. صفی میری نظر میں ڈاکٹر یوسف کمالی " " " " " " " "
۳. اردو شاعری میں فیض کا میلان ڈاکٹر حفیظ قنیل، ماہنامہ صبا، جولائی ۱۹۵۵ء
۴. صفی اور رنگ آبادی محمد ابراہیم صدیقی، ماہنامہ نورس غزل، فروری ۱۹۵۸ء
۵. " " " " ڈاکٹر سیدہ جعفر، " " " " " " " "
۶. قلندر صفت شاعر ڈاکٹر عقیل ہاشمی " " " " " " " "
۷. حضرت صفی شریف ایم۔ اے " " " " " " " "
۸. صفی ایک صاحب طرز شاعر پروفیسر سلیمان اظہر جلدید " " " " " " " "
۹. صفی کو میں نے دیکھا بھی سنا بھی سعادت انظیر شمس " " " " " " " "
۱۰. صفی اور رنگ آبادی نسیم سلطانی نقوش، قلم، مہینہ جنوری، ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۱. صفی اور رنگ آبادی سید تھیں حسین صوفی، اردو کالج میگزین، ۱۹۶۲ء
۱۲. عرفی مرتب خواجہ حمید الدین شاہد، یادگار صفی نمبر ۱، ۱۹۵۶ء
۱۳. پیامات : گوپال راؤ اکھوٹے " " " " " " " "
۱۴. والدہ حمہ صفی ڈاکٹر زہرا جعفر احمد والدہ حمہ صفی ڈاکٹر زہرا جعفر احمد " " " " " " " "
۱۵. ڈاکٹر یوسف حسین خاں، نکتہ جذبہ، ماہ اپریل " " " " " " " "
۱۶. خطوط حضرت صفی بنام ابوالفیض فیضی " " " " " " " "
۱۷. آب حیات کا آخری شاعری سید عبدالحفیظ محفوظ " " " " " " " "
۱۸. سلام صفی کی چند خصوصیتیں نصیر الدین ہاشمی صاحب " " " " " " " "
۱۹. خطبہ استقبال یوم صفی ۱۹۵۵ء عبدالقادر سروری صاحب " " " " " " " "
۲۰. صفی کو جیسا دیکھا ویسا پایا پروفیسر سید محمد " " " " " " " "
۲۱. صفی کی عشقیہ شاعری محمد منظور احمد صاحب " " " " " " " "
۲۲. محاورات میں صفی کا مقام ابو محمد سید علی سرور صاحب " " " " " " " "
۲۳. صفی اور ان کی شاعری نمبر صفی صاحب " " " " " " " "
۲۴. صفی کے شاعر " " " " " " " "

مرتب کی کتابوں پر شاہیر اردو کے تاثرات تلاذہ صفی

جناب محبوب علی خاں انجو صاحب صفی کے شاگردوں کا تذکرہ مرتب فرما رہے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ تلاذہ کے اصلاح شدہ اشعار بھی پیش کریں خواہ وہ دو دو چار چار اشعار ہی ہوں۔ اس سے مبتدی اور نوجوان شعرا استفادہ کریں گے اور عام قاری بھی فیض یاب ہو سکیں گے۔

محمد اکبر الدین صدیقی

ریڈر ریٹائرڈ عثمانیہ یونیورسٹی

چار تہذیب آباد، حیدرآباد

مجھے خوش ہو گیا محبوب علی خاں انجو تلمیذِ حضرتِ قادری یہ کام بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

پروفیسر رفیعہ سلطانہ

پھول بن

۱۲-۲-۱۲

ایک ایسے وقت میں جب کہ دیس کا کوہِ کونہ آگ و خون، قتل و غارت گری سے معمور ہے، شعر و شاعری، ادب و ادیب کے بارے میں لکھنا پڑھنا سوچنا ایک ایسی انفرادیت ہے جو کم ہی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

بہر حال وقت، محنت، دولت و صلاحیت کو داؤ پر لگا کر اپنے ”تلاذہ صفی“

کی صورت میں ادب و شعر کی محفلِ سجائی اور بہت سے بھولے بسے شاعروں کی یاد تازہ کر دی، یہ کام دنیا کے ادب اور خصوصاً حیدرآباد کے کتبِ صفی کی دنیا میں ایک ستارہ کی حیثیت کا حامل ہے۔ اپنے آپ عاید کردہ ایک فریضہ سے بہر حال آپ نے بکمالِ شجاعت حاصل کر لی۔

۱۹ نومبر ۱۹۹۰ء

سید عبدالحمید محفوظ، پیرایہ حیدرآباد

گری
حیدر آباد کی تاریخ کے حانیہ آگ و خون کے بولناک فسادات اور قتل و غارت
کے مجنونانہ تباہ کن واقعات (جب کہ یہ شہر بھاگیہ بنگر کر فیو بنگر بن گیا تھا) کے دور
ان کے کام کرنے کا جذبہ سر نہیں ہوا بلکہ انہوں نے کر فیو کی چھوٹ کے دفعے میں بھی اپنی
سرگرمیاں جاری رکھیں۔ بہر حال انگریز صاحب نے اپنی آتش شوق کو ٹھنڈی ہونے
نہیں دیا اس ناچیز طالب علم کی محدود معلومات میں شاید ہی کوئی ایسا تذکرہ مرتب کیا
گیا ہو جس میں ایکسٹریکٹس کے اتنے کثیر شاگردوں کا ذکر بہ یک وقت پایا جا
جس کے لیے سر زمین دکن جو صدیوں سے علوم و فنون کا گہوارہ رہی ہے، جتنا بھی تاز
کرے کم ہے! اذعان ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے۔
خواجہ معین الدین عسکری (کناس امریکہ)

جناب محبوب علی خاں انگریز نے شاگردانِ صفی کے اشعار تک پہنچائے اور میں
جناب انگریز کے چند شعر بطور نمونہ نذر قارئین کرنا چاہتا ہوں جن کے پڑھنے سے اس
بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ اس طرح حضرت داغ، حضرت صفی اور نگ آبادی کا
رنگ چھٹتا ہوا جناب حاوی کے ذریعہ جناب محبوب علی خاں انگریز تک پہنچا ہے۔
رؤف رحیم، ایم اے

برادرِ محبوب علی خاں انگریز جنہوں نے صفی اسکول کو ثباتِ دوام دینے کا
بیڑہ اٹھایا ہے جن کی کتاب ”تلاذہ صفی“ نے ادبی دنیا میں ایک نئی روشنی چیلانی
ہے۔
خورشید جندی

مغلیوڑہ، حیدر آباد

”تلاذہ صفی کی چھان بینا کی ویدیا بہیم محبوب علی خاں انگریز تادری نے اٹھائی۔
انگریز صفی کے ایک تلمیذ ارشد نظام علی صاحب مرحوم کے شاگرد ہیں۔ حاوی مرحوم
سے مجھے نیاز حاصل تھا۔ فن سخن میں نہایت نکدرس اور دقیقہ سنج تھے۔ شعر کمالِ احتیاط
سے کہتے تھے۔ استاد کی دقتِ نظر اور احتیاط انگریز کی شاعری میں کہاں تک آئی

اس گفتگو کا یہ موقع نہیں۔ تاہم انھن کی تلاش و تحقیق میں حاوی کا حزم و احتیاط ضرور کار فرما ہے۔ تلامذہ صفی اور کرم نامہ سب کے سب ایک ساتھ نازل ہوئے۔ ورق گردانی کی بہت دل خوشی ہوئی۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ حضرت حاوی مرحوم کے شاگرد ہیں، کیا کہنا۔ بجزاب حاوی صاحب سے مجھے نیاز حاصل تھا۔ مجھ پر بڑی شفقت تھی۔ ان کے تعلق سے میرے احساسات ہمیشہ قدر و احترام میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

محمد ضیاء الدین احمد خلیفہ

(لندن)

۷ جون ۱۹۹۱ء

محبوب علی خاں انھن کا صدی نے تلامذہ صفی اور نگ آبادی شائع کیا ہے اور سبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس دشوار گزار مرحلہ کو طے کیا اور نہایت لگن و محنت، تلاش و تحقیق کے بعد صفی کے پرستاروں کو یہ مستحضر دیا۔

پیر رفیع سلیمان الطہر جاوید

روزنامہ منصف

(ترقی)

۸ دسمبر ۱۹۹۱ء

صفی اور نگ آبادی کے شاگردوں کا یہ بڑا معلومات آفریں تذکرہ ہے جسے محبوب علی خاں انھن نے مرتب کیا ہے۔ ان کا بلا واسطہ تعلق حضرت صفی سے بڑا گہرا ہے۔ وہ صفی مرحوم کے عزیز ترین اور قابل ترین شاگرد غلام علی حاوی کے شاگرد ہیں۔ اردو پبلشر ۵۷ اپریل ۱۹۹۲ء عزیز قیسی (امبئی)

محبوب علی خاں انھن نے صفی اور نگ آبادی کے شاگردوں کی ادبی تاریخ کو اپنی کتاب تلامذہ صفی میں بند کیا ہے۔ جسے مستقبل کے محقق اور نقاد نہ صرف کھلی ٹیڑھیں لگے بلکہ ادب کی تاریخ مرتب کرتے وقت صفی اور ان کے شاگردوں کے کارناموں کو اہمیت کے حامل خصوصیات کا درجہ دیں گے۔

شاہینہ شروت
مولانا آزاد کالج اورنگ آباد

۲۶ جولائی ۱۹۹۲ء

زیر تبصرہ کتاب کے مرتب محبوب علیخاں اخگر قادری نے حضرت صفی کے چار شاگردوں میں سے ۸۶ شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔ اور کتاب کے صفحہ ۲۴ پر حضرت صفی کے اُن تلامذہ کی فہرست بھی دے دی ہے جو بقید حیات ہیں۔ یہ کتاب تذکرہ نگاری کے باب میں ایک اضافہ ہے جس کے مطالعہ سے صفی اور نگ آبادی اور اُن کے تلامذہ کی شاعری ہی سے نہیں بلکہ اس دور کی تدریوں سے بھی قاری آگاہ ہو سکتا ہے۔

اکتوبر

پروانہ اردو دلی

۱۹۹۲ء

(ماہنامہ الوان اردو دہلی)

تلامذہ صفی اور نگ آبادی ایک اچھی علمی خدمت ہے۔ (حیدر آباد، جس کو میں شہرِ علم، شہرِ تصوف اور شہرِ تہذیب کہتا ہوں) کی علمی اور ادبی تاریخ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ پہلے فرداً فرداً ادیبوں اور شاعروں کی خدمات کا اعتراف کیا جائے۔ بچہ خوشی ہے کہ محبوب علیخاں اخگر صاحب نے یہ کارِ خیر انجام دیا ہے۔ اور تلامذہ صفی کے باریں اپنی معلومات کو یکجا کر دیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس کتاب سے صفی شناسی اور حیدر آباد شناسی کا طرغ پیش رفت ہوگی۔

پروفیسر عنوان چشتی

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

۳ ستمبر ۱۹۹۲ء

تلامذہ صفی اور نگ آبادی ایک نادر روزگار کتاب ہے۔ ایک ہی محنور کے اتنی بڑی تعداد میں شاگردوں کے حالات اور نمونہ کلام کا ہم پہنچانا کئی معمولی بات نہیں محبوب علیخاں اخگر کی ہمت و مدد کی داد دینی چاہیے کہ انھوں نے وظیفہ حاصل کرنے کے بعد اس کام کا بیڑہ اٹھایا۔

صفی کے ۱۵۷ مستند شاگردوں میں ۸۶ کے حالات زندگی اور نمونہ کلام کی فراہمی کے ساتھ ساتھ انھوں نے کم از کم ۶۳ شاگردوں کی تصویریں بھی اس کتاب کے ساتھ زندہ و جاوید بنادی ہیں۔

اقتباس تبصرہ

پروفیسر یعقوب غنیمت

صدر شعبہ فارسی نظام کالج حیدر آباد

ماہنامہ آندھرا پریش جنوری ۱۹۹۳ء

جناب محبوب علیخان انجمن قادری کا یہ اقدام قابلِ تائیس ہے کہ انھوں نے ”زندہ کلام“ والے اس مرحوم شاعر کے حقیقی شاگردوں کی فہرست مرتب کر کے تلامذہ صفی اور جنگ آبادی کے زیرِ عنوان کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب میں ۸۶ تلامذہ کا ذکر ہے، ان میں بہت سے مرحوم ہو چکے اور کچھ بقیدِ حیات ہیں۔

(روزنامہ رہنمائے دکن ۲۱ فروری ۱۹۳۷ء)

حسینی جاوید مرحوم

محبوب علیخان انجمن نے اسے مکمل دستاویز بنانے کی پوری سعی کی ہے تلامذہ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات بھی جہاں جہاں ملتی درج کی ہے۔ ان کے حالاتِ زندگی اور کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔ جگہ جگہ صفی سے متعلق، صفی کے بارے میں انتخابِ کلامِ صفی، صفی کے ضربِ الامثال، منتخب اشعارِ صفی درج کئے گئے ہیں۔ تلامذہ کی تصاویر بھی ہیں، مضامین پڑھنی ہیں۔ گہرائی میں جا کر کچھ لکھے ہیں۔ معلوماتی ہیں۔ مرتب نے اپنے دادا استاد اور استاد کی یاد میں ایک خاصہ بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

ماہنامہ آج کل دہلی
مئی ۱۹۳۷ء

رام لعل ناہوی
ناہجا (پنجاب)

حیدر آباد میں صفی اسکول شعر و ادب کا ایک عہد استوار تھا اب نہ وہ باقی ہے نہ نئے خانہ۔ رہے نام اللہ کا تلامذہ صفی پڑھے جانے والی کتاب ہے اس کی ترتیب کے لیے جناب انجمن مبارکباد کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

ماہنامہ شمس الادب
ابن نامی
(وقف غلیس رحوم)

انجمن قادری صاحب نے بڑی سعی و ریزی اور جستجو کے ذریعہ صفی اور جنگ آبادی کے ۱۵۷ تلامذہ کی فہرست تیار کی، ۸۶ شاگردوں کے حالاتِ زندگی اور نمونہ کلام کو یکجا کیا اور ۶۳ تلامذہ کی تصویریں حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ مرحوم شعراء کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کے حصول کے لیے انھیں ان کی قبور کے کتبوں

ایک بھلا بیٹا بن گیا۔ ان کی ساری کدو کاوش اور ان تھک کوششوں کا ثمرہ تلامذہ صنفی اور علمی آبادی کی صورت میں ہمارے سامنے موجود۔ محبوب علی خاں، ملٹر قادی قادی، مبارکبادی میں کہ انھوں نے ایک جلیل اور اور نا قابلِ تسخیر ہم کو بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ سر کر کے تلامذہ صنفی کے نام اور کام کو جو دستِ بزدلانہ سے معدوم ہوتے جا رہے تھے، موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کر لیا۔

ڈاکٹر محمد علی اختر

اقبالیس ہجری زبان ہندی

۸ فروری ۱۹۹۳ء

”خیالاتِ حاوی“

خیالاتِ حاوی کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ نے نہایت گرانقدر کام کیا ہے یہ جان کر مزید مسرت ہوئی کہ ”اصلاحاتِ صنفی“ زیرِ طباعت ہے صنفی کو اردو شاعری میں اُن کا مقام ملنا چاہیے۔ اور اس کا ذمہ داری ہم پر ہے۔ یقین ہے آپ کی مساعی بار آور ہوں گی۔

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید (نروچی)

۳۰ ستمبر ۱۹۹۲ء

یہ ایک شعری مجموعہ ہے۔ شاعر ہیں مولوی غلام علی حاوی مرحوم جانشین حضرت صنفی اور تنگ آبادی، حاوی صاحب، اگر حاوی بالآخر، ۱۳۱ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ کو بعمر ۷۷ سال ایک حقیقی سے جا ملے۔ اس مجموعہ کو مرتب کیا ہے ان کے شاگرد محبوب علی خاں ملٹر قادی لے اور مدد فرمائی ہے حاوی خاں کے فرزند محمد عیسیٰ خاں نے جو کینڈا میں مقیم ہیں یہ دونوں اصحاب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ بزرگوں کو یاد رکھنا اور ان کی یاد قائم کرنا عزیزوں کا فرض ہے۔ کتاب تصاویر سے مزین ہے۔ کچھ مضامین میں حاوی صاحب کی شکل و شبہات، لباس، عادات مطالعہ، ان کا فارغِ الاصلاح ہونا، ان کی غزل، رباعی، قصیدہ، شہنوی نظم، تاریخ گوئی، عربی، فارسی، اور علوم سے واقفیت، فنِ خطاطی، علمِ عروض، ان کی شاہکی

اولاد، دیوانِ حاویِ کاغذ ہونا، پھر لٹاؤ وغیرہ کا ذکر تو ہے ہی۔ ان کے کلام کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ تجزیہ کرنے والے نقادِ نقادانِ فن ہیں۔

رام لعل ناہوی

ناجی (پنجاب)

بھئی خالد نے انھیں صاحب سے خواہش کی کہ والد کا مجموعہ کلام وہاں سے حاصل کر کے ترتیب و اشاعت کی ذمہ داری قبول کریں۔ یہ اہم ترین فریضہ ان جیسے مستعد فعال، حرکیاتی اور دھنی شخصیت کے علاوہ کسی اور کے بس کا نہیں تھا۔ ایسے موقعوں پر جب اللہ کسی کے نام اور کام کو زندہ و باقی رکھنا چاہتا ہے تو کسی اہلِ خرد کو جنوں آشنا کر دیتا ہے اور وہ کلام کی تکمیل کا بیڑہ اپنے سر لے کر علمی اور ادبی یادگلوں سے چھوڑ جاتا ہے۔ حضرت حاوی کے شاگرد رشید انھیں صاحب اور حاوی صاحب کے فرزندِ برگزیدہ محمد بھئی خالد نے ہی تو کیا! ایک نے اپنے والد کے علمی وادبی کی اشاعت و حفاظت کے لیے مالِ ذمہ داری کا حق ادا کیا تو دوسرے نے اپنے شفیق استاد کے شعری سرمایہ کی ترتیب و تدوین کے علمی کام اور کتابت و طباعت کے سارے علمی مراحل طے کر کے ایک سچے ادب شناس اور مخلص شاگرد ہونے کا بینِ ثبوت دیا ہر دو کی یہ مخلصانہ اور فرزندانہ خدمات ہر اعتبار سے لائقِ تائید اور قابلِ مبارکباد ہے کہ انھوں نے ان قیمتی اوراق کو بزرگ خزاںِ رسیدہ بن جانے سے محفوظ کر لیا۔

(کنساس اسٹیٹ، امریکہ)

خواجہ عین الدین عزمی

طباعت و اشاعت کے سلسلے میں جناب انھیں کا انتخاب نہایت موزوں ثابت ہوا، انھیں شاعری کے بڑے اردو ادب کے خدمت گزاروں میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں موصوف کی مرتبہ کتابیں ”طلحہ مہنی اور رنگ آباری“ شمعِ فروزاں اور تارِ یخ و ادب مصنف عمر خالدی و محمد نور الدین خاں صاحب کا طباعت آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا بینِ ثبوت ہے۔ بہر حال نظامِ حاوی کے فرزندِ حقیقی اور فرزندِ معنوی دونوں نے اپنا اپنا حق ادا کیا چنانچہ ان دونوں کی کوششوں

کا منظر ”خیالاتِ حاوی“ کی صورت میں موجود ہے۔

سید عبد الحفیظ محفوظ

بشیر باغ

یہ میرے لیے باعثِ سعادت اور ولہدین کی آخری خوشنودی کا سبب ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے مجھے ”خیالاتِ حاوی“ کو اپنے ذاتی صرفے سے شائع کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

اگر عزمِ محترم جناب محبوب علیخاں اختر گراں ذمہ داری کو قبول نہ فرماتے تو اس مجموعہٴ کلام کے زیور طبع سے آراستہ ہونے کے امکانات سوہوم ہو جاتے اور شعر و ادب کی دنیا مکتبِ تنہی کے بالغ نظر ماہرِ عروسیں داں اور وسیع معلومات رکھنے والے دکن کے اہل زبان، بلند فکرِ سخنور کے ”خیالاتِ حاوی“ سے محروم رہتی اپنی الجملہ یہ کہ میرا دلی ہدیہٴ تشکر ان کی نذر ہے جس کے لیے میرے محدود دائرۃٴ علم میں لفظوں کا کال ہے۔
 اوٹو ریو، کینڈا
 ابنِ حاوی
 محمد یحییٰ خالد

حاوی کے شاگرد، جناب محبوب علیخاں اختر نے حضرت حاوی کا منتخب کلام ”خیالاتِ حاوی“ کے عنوان سے مرتب کر کے اردو دالوں کو سرزمینِ دکن کے ایک جہیزِ قابل سے تعارف کروایا ہے۔ ان کے اس مجذوبہٴ عقیدت مندی کی جلتی بھی قدر کا جائے کم ہے۔
 پروفیسر اشرف رفیع
 (مدِ شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی)

حضرت حاوی کے فرزند محمد یحییٰ خالد نے جو اس وقت کینڈا میں مقیم ہیں اسی طرف توجہ کی اور اپنے والد مرحوم کے مجموعہٴ کلام ”خیالاتِ حاوی“ کی طباعت و اشاعت میں سرمایہٴ لگا کر اس کو منظرِ عام پر لانے کا اہتمام کیا۔ اس مجموعہٴ کلام کے دیگر خیالات یعنی اس کی ترتیب و تزئین میں ان کے ”لمیڈ و جانشین“ جناب

محبوب بلخاں اٹکھر نے پوری تنگ و دوکی، اس طرح ہر دو اصحاب لائقِ تائیں ہیں
بیٹُ النظیم، مغلیورہ
سید نظیر علی مدنی

خیالاتِ حاوی کی رسمِ اجرا انجام دیتے ہوئے کہا کہ قصفی اور تنگ آبادی نے
ارضِ دکن پر شعرو سخن کی جو شمع روشن کی تھی اس کی فضا ریاضیوں سے آج تک بھی علم
فی کی محفلیں منور ہیں۔ غلام علی حاوی کا شمار استادِ سخن میں ہوتا ہے۔ فاضلِ ترب کو
کتاب کی اشاعت کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

سید رحمت علی
صدرین اردو اکادمی

سیاست
۲۱ فروری ۱۹۹۳ء

اٹکھر چالیس برسوں سے شعرو ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ ماہِ صفی اور تنگ
تسلیم کئے جاتے ہیں چار تصانیف شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں تین زیرِ ترتیب
ہیں۔
اردو بلظر، ممبئی
۶ مئی ۱۹۹۵ء

بھائی اٹکھر یہ بھی تو اپنی جگہ ایک ڈھکی چھپی حقیقت ہے کہ لیاضِ غیر آبادی
ہوں، داغِ دھلوی ہوں، سیلابِ بکر آبادی ہوں کہ نشوونہِ واحدی ان میں سے کوئی بھی
نہ نہ زندانہ سے واقف نہیں تھا۔ صرف غزل کے بانگین کے لئے غیر مرئی خمِ خم زندانہ
سے ہے۔ داد بھی پائی اور زبان پر نہ کھے بغیر زندوں میں شامل بھی ہو گئے۔ نہ دنیا
ہاتھ سے گئی نہ جنت، مہندی لہجائی بھی نہیں اور رنگ چوکھا ہو گیا۔ حضرت صفی تو خیل
ندان تھے خمریات پر ان کا حق تھا اور آپ نے اس حق کو ثابت کر دیا۔ ان کی ایسی شاعری
کے عمو انتخاب کو مرقعِ نکالی کی نوکِ پلنگ سے سجا کر کچھ ایسی جو جگائی ہے کہ ہر جامِ کرن
چھوٹی ہے۔ کیا آپ نے یہ کرن کبھی دیکھی ہے؟ آپ بے پیغمبت ہیں اور مبارکباد کے مستحق

اقبال تین

۳۰ جنوری ۱۹۹۴ء
شکل ڈاڑی نازیں گلو، حیدر آباد

مکرمی انگریز صاحب تسلیم

”خیالاتِ حاوی“ ملی، مکتوب کا۔ شکریہ

ماوی مرحوم کی شاعری قدیم رنگِ سخن کی ہے، چونکہ میں نقاد نہیں ہوں اس لیے اس کتاب پر کوئی تبصرہ نہ لکھ سکوں گا۔

آپ کا بہت اصرار ہے تو ایک پُرانی بڑی سی تصویر تلاش کر کے بھیج رہا ہوں۔ یہ تصویر ۱۹۸۳ء کی ہوئی چاہیے، لیکن معلوم ہوتا ہے جیسے میری موجودہ شبہات کو پیش کر رہی ہے۔

ماوی صاحب نے ایک غزل کا قافیہ کائنات، بے ثبات رکھا۔ مقطع میں کہتے ہیں۔

فسرِ سخن میں آپ اچانک جو آگئے

ماوی رُوی کو بھول گیا انبساط میں

اس معنائی کی ضرورت نہیں تھی، میرے نزدیک کائنات اور انبساط کا قافیہ جائز ہے۔ اُمید

ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ غفلت

گیان چند

اندرانگر۔ لکھنؤ

مغذی، محترمی جناب انگریز صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی دس سال کردہ ساری چیزیں نوشتین سہا کے ذریعہ آپ کے مودت نامہ کے ذریعہ وصول ہوئیں۔ جہاں ہیں کہ کوئی کن باتوں کا کس کس طرح سے اظہارِ تشکر کیا جاسکتا ہے۔ میری اہلیہ کے فرمائش کے لیے کیسٹ (۲) ملک رام صاحب کا ”تذکرہ ماہِ رسالی“ جس میں آپ کے اولین کا زمانہ تادمہ صفی کے سند قبول اور تاریخی دستِ مایوز، علمی نور ادبی نشانِ راہ ہونے کا مستلزم ثبوت موجود ہے، اگرچہ بہت کم کا حوالہ دیا گیا۔ محنتِ معنی کی نماندہ اور شخصیتوں کو شائع کرنا کو تاہ نظری پر وفلت کرتا ہے۔ ۲: ”خیالاتِ حاوی“ کے نسخہ جو آپ کی دیدہ برتری محبتِ شادہ اپنی گھن بے لوث مددنی خدمت کیا دے گا میں۔

جس حکم کا آغاز علومِ نیت، دہِ ہندی اور بے جگری سے کیا جاتا ہے، اس کا سلسلہ با محرمِ ائمہ نقوش اور انمول علمی تحفوں پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ کی جنوں آشتیا جتہ کو اب بھی مدد پر لاؤ گا ہے کہ نہ کہیں دُکھ کے آثار پائے جاتے ہیں اور نہ کسی مرحلہ پر

یہی تو کرشمہ قدرت ہے کہ اللہ کسی نہ کسی کو اس طریقے سے محبوب بنالیتا ہے اور آپ
تو اہم بائیسویں ٹھیرے ! آپ کا دُعا مُتلاوہ

عَزَّوَجَلَّ

میرے محبوب ! میرا آداب

کتاب کل لی تھی، آج صُبح پڑھنے بیٹھا۔ ایک پوسٹ کارڈ پر رسید لکھ دی تھی تاکہ
پہنچنے کا پتہ چل جائے۔

آج ۳ بجے تک کتب پڑھ ڈالی۔ تب عرو لکھا اور ڈاک کے حوالے کیا۔

تب عرو کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس انداز سے لکھا جائے کہ قاری کے دل میں خیال
پیدا ہو کہ کتاب دیکھی جائے۔

میں ایک ایک لفظ پڑھ کر تب عرو لکھا کرتا ہوں۔ اب آپ اپنی رائے لکھیے۔

نیازمند و لعل نا بھوی

دیوان محلہ۔ نابھا۔ پنجاب

محترمی احقر صاحب۔ السلام علیکم۔ مزاج گرامی

حب الحکم رسم اجراء میں شرکت کے لیے حاضر ہوا تھا۔ تقریب بہت شاندار
اور کامیاب تھی، مبارکباد قبول کیجیے۔

جلسہ گاہ میں آپ کی دونوں کتابیں آدمی قیمت میں بی بی تھیں تو میں نے فائدہ
اُٹھایا۔ مجھے جلدی کو شرف تھا اس لیے جس گھر صاحب کی تقریر کے بعد آپ کے ایک کارکن
کی کتابوں پر آپ کی تحریر کے ساتھ دستخط لانے کے لیے ڈانس پر بھیجا لیکن شاید انھوں نے
آپ کو ٹھیک سے نہیں سمجھایا ہو گا اس لیے وہ صرف آپ کی دستخط لے کر لوٹے۔ میرا خیال
ہے کہ مصنف یا مرقب کی دستخط کے ساتھ تحریر بھی ہوتی تو کتاب کے ساتھ تحریر بھی محفوظ
ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ آپ کا آنے والی کتابوں پر یہ کام کر لوں گا۔

آپ کے تعلق سے نردالین خاں صاحب نے بجا لکھا کہ: ”جو کام کسی ادارہ یا انجمن نے نہیں کیا، پیکرِ عملِ احسگر صاحب نے کر دکھایا“ جناب نظیر علی عدیل نے آپ سے تعاون نہ کرنے والے موجودہ تلامذہ صفی کی خوب کھینچائی کی۔ مصروفیتوں کا سلسلہ تھا، اس لیے خط دیر سے بھی گر لکھ دیا ہوں۔ اُمید کہ آپ کوئی خیال نہیں فرمائیں گے۔

محمد حمایت اللہ

۲۵ مارچ ۱۹۹۳ء

مکرمی۔ سلام و نیاز

آپ نے جس خلوص اور محبت سے اپنی کتاب بھیجی ہے، اس کے لیے بے حد ممنون ہوں، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ ”شعلہ سخن“ کی ایک غزل ”پاکستان لک“ میں شائع ہوئی ہے۔ تراشہ مرسل خدمت ہے۔ جب کبھی فرصت ملے ”لک“ کے لیے اپنی تخلیقاً روانہ فرمائیے۔ آپ کا مخلص

حسن چشتی - شکاگو

۲ جون ۱۹۹۵ء

اصلاحاتِ صفی

جناب محبوب علی خاں انگر قادری نے پہلا ادبی کارندہ یہ انجام دیا کہ حضرت صفی کے (چھپاسی) شاگردوں کا محققانہ جامع تذکرہ مرتب کر کے ۱۹۹۱ء میں بڑے آب و تلب سے ”تلامذہ صفی اور نگ آباری“ کے نام سے شائع کیا جسے اصحابِ ذوق نے قدر و منزلت سے دیکھا اور پذیرائی کی۔ ایک منزل سے دوسری منزل پر اگر سستانے کی بجائے ان کے ذوقِ علم اور جہدِ مسلسل کا ایک اور کرشمہ ”خیالاتِ عادی“ کے روپ میں چند مہینے بعد ہی جلوہ آ رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ جو کام کسی ادارہ یا انجمن نے نہیں کیا، پیکرِ عملِ جناب انگر نے تنہا کر دکھایا۔

جناب انگر نے بہت بڑی ادبی خدمت کی ہے کسی مالی تعاون سے بے نیاز اور فکرِ سود و زیاں سے بے پرواہ جناب انگر اپنی لگن اور جھٹوٹے پے ہم سے

جو علمی کام انجام دے رہے ہیں وہ لائق تحسین و تائیس ہے۔ ان کا کام ان کے نام کو
یقیناً زندہ رکھے گا۔

محمد نور الدین خاں
(صدر ادبستان دکن)

۲۰ ستمبر ۱۹۹۲ء
(دیوڑھی نواب مشرف جنگ نیا)

اتھکر قادری صاحب نے روزنامہ منصف کے ادبی ایڈیشن میں ۱۲ قسطوں میں
صفی کی اصلاحیں شائع کیں اور اب انھوں نے اصلاحاتِ صفی کے ایک وافر ذخیرے
کو کتابی صورت میں شائع کر کے نہ صرف انھیں خالص ہونے سے بچا لیا ہے بلکہ
قارئین اور شعراء کے ایک وسیع حلقے کو ان اصلاحوں سے استفادہ کرنے کا موقع
بھی عطا کیا ہے۔ امید کہ اردو کے ادبی اور علمی حلقوں میں اس کتاب کی خاطر
پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد علی اشرافیہ
ریڈر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ

کاشانہ آثر - حیدرآباد

اتھکر صاحب تالیفِ مبارکباد ہیں جو صفی کے کام کو نہ صرف محفوظ کر رہے ہیں
بلکہ شعروادب کی ایک اہم خدمت انجام دے رہے ہیں جو اپنی نوعیت کا بالکل
اچھوتا کام ہے۔ جس کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

ڈاکٹر یوسف سیرست
(پروفیسر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی)

گنگوان روڈ ملہ بنجارہ پٹنہ حیدرآباد

اتھکر صاحب نے انتہائی تنگ دود اور تلاش و جستجو سے معلومات فراہم کیں
اور اسے کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔

آفریں باد بریباہمت سردانہ اد

پروفیسر یعقوب غم
(صدر شعبہ فارسی نظام آباد)

کوچہ نسیم
حیدرآباد

جناب محبوب علی خاں اختر قادری حیدر آباد کے باشندے ہیں۔ تحقیق کے آدمی ہیں۔ میں ۱۹۹۰ء تک حیدر آباد میں رہا۔ افسوس کہ کبھی ان سے ملنے کا موقع نہ ملا۔ اب جب کہ میں لکھنؤ منتقل ہو گیا ہوں، انھوں نے اپنا پیش بہا مطبوعہ کا نام تلامذہ صفی اورنگ آبادی اور زیر طبع کام اصلاحاتِ صفی کے کچھ اجزاء مجھے عنایت کئے۔ انھیں دیکھ کر احساس ہوا کہ کاش حیدر آباد میں کبھی ان سے یادا نشہ ہوگی۔
اختر قادری صاحب نے بہت دَوڑ دھوپ، عرق ریزی و دیدہ ریزی کر کے تلامذہ صفی اورنگ آبادی مرتب کی۔ میں ان کے اس کام سے خوش ہوں۔
اختر صاحب اصلاحاتِ صفی اور مسکاتیبِ صفی بھی مرتب کر چکے ہیں۔ صفی اورنگ آبادی کی اصلاحوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ استادِ سخن تھے۔ اختر صاحب نے ان کی اصلاحوں کو اکٹھا کر کے ان کی تدوین کی اس سے بہتوں کا بھلا ہوگا۔
زبان و بیان کی بے مہار آزادی کے دور میں اس قسم کی کتاب کی افادیت عیاں راجحہ بیاں کی مصداق ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اہلِ سخن اور اہلِ نقد اس مجموعہ کا مطالعہ کر کے مستفیض ہوں گے۔

پروفیسر گیان چند جین

لکھنؤ۔ ستمبر ۱۹۹۲ء

محبوب علی خاں اختر نے صفی پر جو کام کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ لائقِ قدر ہے۔ اردو شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو عموماً اور صفی کے پرستاروں اور شاگردوں کو خصوصاً اختر کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید

صفی اور اصلاحاتِ صفی

ابھی کچھ دن پہلے میرے ایک دوست جناب رؤف بیگ نے حیدر آباد سے ”اصلاحاتِ صفی“ کا ایک نسخہ روانہ کیا ہے جس کو جناب محبوب علی خاں اختر

نے مُرتب کیا ہے۔ اب جو اصلاحاتِ صفی آئی تو گزشتہ دلوں کی باتیں اور گزرے واقعات ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے۔

جناب محبوب علیخان اٹھکر نے اس کتاب (اصلاحاتِ صفی) کے اشارے میں سب سے پہلے میرانام رکھا ہے کہ صفی پر مضمون لکھنے والوں میں مجھے اولیت حاصل رہی ہے اب سے کوئی تیس چالیس سال پہلے بلکہ اس سے بھی کچھ آگے کی بات ہے کہ ریڈیو سٹیشن چراغ علی گلی میں جناب محبوب علی خاں صاحب کی نگرانی میں تھا جہاں سے خصوصی پروگرام نشر ہوا کرتے تھے۔ انہی پروگراموں میں میں نے صفی پر مضمون پڑھا ہے اپنے اس مضمون میں اور باتوں کے علاوہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جناب صفی بہت پُرگو اور زود گو شاعر ہیں۔ ان کی ہر غزل کے سارے کے سارے اشعار منظرِ عام پر آجاتے ہیں جن کی وجہ سے اکثر اچھے اشعار ذرا مدھم پڑ جاتے ہیں اس سلسلے میں میں نے کچھ شائیں بھی دی تھیں اور آخر میں کہا تھا کہ اگر انتخاب ہوا کرے تو مناسب ہے۔ میں مضمون پڑھ کر واپس آ رہا تھا چار مینار کے پاس جہاں اب بسوں کا اڈہ ہے وہاں ایک چائے خانہ تھا جہاں لوگ شام کو آکر بیٹھتے تھے اور ریڈیو سنتے تھے صفی صاحب بھی اپنی ضروری مصروفیات سے فارغ ہو کر بلاناغہ یہیں آیا کرتے تھے جیسے ہی میری نظر ان پر پڑی میں سیکل سے اتر کر ان کے پاس جا بیٹھا ابھی ایک دو لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ حضرت نے فرمایا ”پاشاہ آپ ہم پر بھی وار کرنے لگے۔“ آج تک وہ مسکراہٹ جس میں خلوص تھا، محبت تھی اور استادانہ شان تھی مجھے یاد ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج بھی میں ان کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔

جناب اٹھکر تلامذہ صفی سے نہیں ہیں۔ ان کا تعلق جناب حاوی سے ہے جو صفی کے شاگردِ رشید تھے۔ ان کے کلام کے نیور بتلاتے ہیں کہ جو سلسلہ کسفی صفی اور حاوی سے چلا ہے وہ برابر جاری ہے۔ یہ شاعر سے زیادہ محقق کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

صفی کے تعلق سے جناب محبوب علیخان اٹھکر کی کتابیں ہمارے سامنے آئی جارہی ہیں اب غفریب ”مخاوراتِ صفی“ بھی بازار میں آجائے گی۔ یہ ان کی اس

دوڑ دھوپ کا نتیجہ ہے جس نے ان کو قبرستانوں کی زیارت کروائی اور فاتحہ خوانی کا ثواب بھی بخشا جس کا ذکر خود انھوں نے بڑے پُر لطف انداز میں کیا ہے۔ جناب اخگر کی ان ادبی خدمات کی جس قدر ستائش کی جائے کم ہے۔ انھوں نے نہ صرف صفی کو بہ حیثیت شاعر دوائی زندگی بخشی ہے بلکہ ادبی دنیا میں خود اپنے جیسے رہنے کے سامان بھی مہیا کر لیے ہیں۔

میں خاص طور پر جناب محبوب علی خاں اخگر کا ممنون ہوں کہ ان کے زیرِ ادبی کارنامے ایسی شخصیت کی یاد دلاتے رہتے ہیں جس کی شاعری کا یہ وہ اعجاز ہے کہ وہ نہ ہوتے ہوئے بھی ہم میں موجود ہیں۔ رہے نام اللہ کا

اقتباس
حاجزادہ میر اشرف الدین علیاں
رودنا سیاست ۲۲۔۴۔۹۶ء
تلمیذ حضرت صفی اللہ گیلانی

محبوب علی خاں اخگر نے صفی اور نگ آبادی کی اصلاحوں کو محنت، لگن اور اخلاص سے جمع کیا ہے۔ یہ کام اپنی جگہ ایک اہم علمی خدمت ہے جو دیر تک اور دور تک طالبانِ فن کی راہ میں اجالا کرتی رہے گی۔ میں اخگر صاحب کے اس علمی کام کا غیر مقدم کرتا ہوں۔

پروفیسر عنوان چشتی
(ڈین آف فیکلٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی)
۳۔۹۔۱۹۹۳ء

آپ کی عنایت کردہ کتاب ”اصلاحاتِ صفی“ ملی، تہہ دل سے مشکور ہوں۔ میں نے ورق گردانی کی ہے! اصلاحاتِ برجستہ ہیں! فسوس استادِ و شاگرد کی روایت ہی ختم ہو گئی ہے، کم از کم غزل میں تو اس روایت کی تجدید کی ضرورت ہے۔ ۵۵ھ پر آپ نے اساتذہ کے کلام پر صفی کی جو اصلاحیں درج کی ہیں وہ نہالی دریافت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تمام صورتوں میں صفی کی اصلاح سے شعر بہتر ہو گیا ہے، لیکن کوئی عیاں ہے تو غالب تہہ اور ذوق ہے شاعر کے اشعار پر بھی اصلاح کر سکتا

ہے۔ بہت سے مسرعوں میں بہتری کی گنجائش ہے
لکھنؤ ۲۳ اپریل ۱۹۳۲ء
پروفیسر گیان چند جین

جناب محبوب حسین جگڑ، جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ سیاست نے اصلاحاتِ صفا کی رسمِ اجراء انجام دیتے ہوئے کہا کہ ”ادب میں اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے جس میں شاگردوں کے کلام اور استاد کی اصلاحوں کو نہایت عرق ریزی سے جمع کیا گیا ہے۔“

محبوب حسین جگڑ
(جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ سیاست)
۲۱ - ۲ - ۱۹۳۲ء

محبوب ملخاں انجمن صاحب نے عمر کے اس حصے میں جب لوگ ہاتھ پیر توڑ کر (اپنے یا دوسروں کے گوشہ گیر ہو جاتے ہیں، علم و ادب کا خدمت کا ایک بیڑہ اٹھالیا ہے اور پے در پے کتابیں مرتب کرتے چلے جا رہے ہیں۔ صاحبِ دوش میں نوجوانوں کی اسی عزم و ہمت، حوصلہ اور توانائی ہے۔ پچھلے ۱۱ سال کے اندر چھ کتابیں پیش کر چکے ہیں۔ اس دورِ ابتلا میں ایسے لوگوں کا وجود بسا غنیمت ہے کہ انہیں کے سوزِ عمل سے ہیں امتوں کے نظامِ مفسرِ محجاز

شعلہ سخن

جناب انجمن نے اذراہِ کرم کے اپنے اس مجموعہ کلام کا مسودہ مطالعہ کے لیے دیا اور مجھے ہر صفحے پر یاد رکھنے کے قابل شعر ملے۔ مجھے یقین ہے کہ شعلہ سخن کی اشاعتِ اردو شاعری کے عظیم خزانے میں ایک اور باکمال شاعر کے فن کا اضافہ ہوگا۔
پرنسپل ہرکت پور ۱۹۳۲ء
(دائیں پائسلر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی)
(امریکہ)

شعلہ سخن

محبوب علی خاں لنگر

(تعارف)

حیدرآباد نے زندگی کے مختلف میدانوں میں متعدد مشہور و معروف اور باصلاحیت شخصیتیں پیدا کی ہیں۔ کہنے مشق شاعر جناب محبوب علی خاں المتخلص بہ انگریز کا تعلق بھی اسی مردم خیز شہر سے ہے۔ آپ کی تین تصانیف ”تلاذہ صفی اورنگ آبادی“، ”خیالاتِ حادی“ ”اصلاحاتِ صفی اورنگ آبادی“ اور ان کا اپنا شعری مجموعہ ”شعلہ سخن“ زیورِ محبت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ۱۹ سالہ انگریز کی شاعری روایت و جدت کا حسین امتزاج ہے۔ زبان سادہ لیکن باحماورہ ہے۔ فکر کی بلندی اور جذبات کی گہرائی انگریز کے اکثر اشعار میں نمایاں ہے۔ انگریز کے شعری مجموعہ ”شعلہ سخن“ کے بارے میں پروفیسر ہاشم علی اختر کا کہنا ہے کہ ”مجھے یقین ہے کہ شعلہ سخن کی اشاعت سے اردو شاعری کے عظیم خزانے میں ایک اور بالکمال شاعر کے فن کا اضافہ ہوگا۔“ انگریز صاحبِ حضرت غلام علی حادی مرحوم کے شاگرد ہیں اور آج اپنے استاد کا نام روشن کر رہے ہیں۔ انگریز کو نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے اور آپ نے صفی اورنگ آبادی کے بارے میں متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ آپ کی تین تصانیف ”محاوراتِ صفی اورنگ آبادی“، ”خمریاتِ صفی اورنگ آبادی“ اور ”صفی اورنگ آبادی کے خطوط“ عنقریب منظرِ عام پر آئے والی ہیں۔ آج کل آپ ”نصیب منش“ ۱۹/۴/۲۰۲۲ء-۳-۱۹ جہاں نواحیہ آباد ۵۳...۵۰ میں قیام پذیر ہیں۔

راشٹریہ سہارا - دہلی

محترم آخگر صاحب . سلام مسنون

آپ نے ”شعلہ سخن“ سے نوازا، سراپا سپاس ہوں کہ آپ نے کسی قابل سمجھا۔ مجموعہ ابتداء ہی سے کوئے رہا ہے۔ از حرفِ اول تا آخر آگ ہی آگ ہے۔ آپ کے دل میں جو آگ لگی ہوئی ہے اس سے آپ دوسرے کے دل و دماغ میں بھی چمکائیاں بھر رہے ہیں۔ مجموعہ میں نے بالاستیاب پڑھا اور دل و دماغ کی جو کیفیت ہوئی وہ تفصیل سے بہ شکل تبصرہ بیان کروں گا۔ شعلہ سخن کے بعض اشعار بہت پسند آئے، جیسے

نامہ قسمت ہے اُگلے بے نیاز دستخط تو دستخطِ ابہام سے
(اس غزل کے ۵۱ شعر ہیں) غزل مسلسل

دل کا شرفِ سرِ من عرف ہے میں ماحی نقشِ ماسوا ہوں
ہلے کیسا غیور تھا ابلیس غیر کے آگے سر جھکا نہ سکا
کیا غضب کا شعر ہے۔ آج انسان ابلیس سے بدتر ہے۔

۵ افروری ۹۴ء رؤف خیر؛ رسالہ بازار، گوگنڈہ

مکرمی جناب آخگر صاحب . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل آپ کی کتاب ”شعلہ سخن“ ملی۔ اس مہربانی اور تکلیف فرمائی کا شکریہ۔ کتاب کا سرورق جاذبِ نظر اور طباعت بہت اچھی ہے۔ پچھلے صفحہ پر مجھ ناچیز کی رائے اور تصویر چھاپنے کا شکریہ۔ تبصرہ کرنے سے پہلے میں آپ کی کتاب کا مطالعہ کر چکا تھا، لیکن کل پھر اُسے پڑھا۔ یہاں کے غیر مشرقی ماحول میں جہاں گھروں میں بہت کم بچے اُردو بول سکتے ہیں، آپ کی کتاب میری رفیق رہے گی۔ یہاں آنے سے پہلے اپنے اچھے کتب خانے کو تقسیم کر دینے کا بڑا افسوس رہا۔ اُردو کی بہت سی کتابیں ادارہ ادبیاتِ اُردو کو دی گئیں اور بہت سی دوستوں میں تقسیم ہوئیں۔ مخلص

سید ہاشم علی اختر

نیپول۔ امریکہ

{ - ابقی دائیں چائسل علی گڑھ یونیورسٹی }

آپ کا حسین و جمیل مجموعہ کلام ”شعلہ سخن“ وصول ہوا۔ دیدہ زیب اور خوش رنگ ٹائٹل دیکھ کر جی خوش ہو گیا اور آپ کے ذوق کی نفاست اور فنکارانہ افتاد طبع کا قائل ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کا سخن ظاہری استاد لکھن ہو اس کے باطنی سخن کے کیا کہنے۔

پروفیسر ثاقب النور
(محلہ شعبہ انگریزی مولانا آزاد کالج)
اورنگ آباد

۲۹ مارچ
۱۹۹۲ء

مکرمی اشگر صاحب تسلیم آپ کی دو پیش ہانٹری تصانیف پہلے سے میرے پاس تھیں، اب شعری تصنیف بھی آپ کی عنایت بے غایت سے مل گئی۔ تہہ دل سے ممنون ہوں۔ تنقید نگاری میں نیاز مند ہونے کے باعث میں محاصرہ شعر و افسانہ کے بارے میں رائے نہیں دے پاتا ہوں۔

پروفیسر گیان چند جین

لکھنؤ ۲۳ فروری ۱۹۹۲ء

اشگر قادری کا شعری مجموعہ ”شعلہ سخن“ پیش نظر ہے اگلے کی شاعری ایک نختہ عمر اور سنجہ مشق شاعر کی شاعری ہے۔
(ہماری زبان ۲۲ جولائی ۱۹۹۲ء)
پروفیسر ظہیر احمد صدیقی (دہلی)

”خمریاتِ صفی“

”خمریات“ اردو شاعری کے اہم موضوعات میں سے ایک ہے۔ چونکہ غزل کا شعر ایک منفرد اکائی ہوتا ہے۔ نیز خود مکتفی اور اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے۔ اس لیے غزل کو شاعر اپنے تخلیقی تجربے کو ارتکا ز اور اختصار کے ساتھ، جامع شعری پیش کرتا ہے۔ اخلاق، اقدار، افکار اور جذبات کی طرح خمریات بھی ابتداء ہی سے غزل اور شاعری کے محبوب موضوعات میں سے ایک ہے۔ امام خمریات کا نام

کس نے نہیں سنا ہو گا۔ دُور کیوں جائیے، خود اُردو میں ریاضِ خیر آبادی نے اگرچہ
دخوتِ رز کو کبھی مٹے سے نہیں لگایا۔ لیکن خمریات "پیر اعلیٰ پائے" کے اشعار سے
اردو زبان و ادب کا دامنِ مالال کیا۔ صفی صاحب اسی قافلے میں شالِ بی بی بھجوں
نے "خمریات" کے تازہ پیمانہ اور لوبہ لومضامین کو اپنی منزلوں کے اشعار میں جستہ
جستہ پیش کیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خمریات اردو شاعری کا خاص طمدیر
غزل کے رگ دپے میں شال ہو کر ایک لازوال اور دنواں روایت کا درجہ حاصل
کر چکا ہے۔ مکتبہ صفی کے ہونہار شاگرد حضرت محبوب علی خاں انجمن حیدر آبادی اس
لیے قابلِ مفاہک باد ہیں کہ انھوں نے صفی کے اشعار اور شاعری سے خمریات کے
مضامین کو جمع کر کے کتابی صورت میں یکجا کر دیا۔ جہاں تک میری معلومات کا
تعلق ہے اردو میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے۔ میری دعا ہے کہ انجمن صاحب
کا یہ کام قبولِ عام کی سند حاصل کرے۔ آمین؟

پیو فیئر عنوانِ چشتی

شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی۔ ۳۵

۶۹۶.۶.۲۷

غالب کو زندہ رکھنے میں حالی کی جو خدمات ہیں اور ذوق کے منہ آبِ حیات
ٹپکانے کے سلسلے میں محمد حسین آزاد نے جو وسائل اپنائے انھیں ادب کے طالبِ علم
کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے! اسی طرح صفی کے لیے جنابِ انجمن نے جو کچھ کیا وہ
اردو ادب کی تہذیب اور مشرقی روایات کی ایک قابلِ تقلید مثال ہے۔

رؤف خیر

اقتباس تبصرہ

(ایم اے)

روزنامہ نصف ۳ مارچ ۱۹۶۶ء

مُحْتَرَم!

صفی فہمی کے سلسلے میں ایک اور کوشش ایک اور زاویہ، ان بولوں کا خصوصی طور پر
آپ نے رنگِ آبادی کو اپنی ادبی دلچسپی کا موضوع بنایا ہے اس کے نتیجہ میں

”تلاذہ صفی اور نگ آبادی اور اصلاعاتِ صفی“ جیسی کتابیں منظرِ عام پر آئی ہیں اور اب آپ نے ”خریاتِ صفی“ بھی شامل کی ہے۔

آپ کی یہ کوششِ صفی کے کلام سے عام دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں زیادہ پسندیدہ رہے گی اور صفی کے کلام کو عام حلقوں میں مزید مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے۔
پروفیسر سلیمان اطہر جاوید (ترقی)

صفی سے متعلق اس اشاعتی پروگرام میں محبوب علیاں اختر کا نام سرفہرست ہے۔ اختر صاحب کی قبل ازیں ”تلاذہ صفی“ ۱۹۹۱ء، خیالاتِ حادی“ ۱۹۹۲ء، اصلاعاتِ صفی“ ۱۹۹۳ء اور اب یہ چوتھی کتاب بعنوان ”خریاتِ صفی“ ۱۹۹۵ء پیش نظر ہے۔ اس طرح گویا انھوں نے چار پانچ سال کے عرصہ میں حضرت صفی اور نگ آبادی کے نام اور کام کو آگے بڑھا کر گویا صفی کی ایک طرح بازیافت کی ہے، اور اپنا نام ہمیشہ کے لیے دنیائے اردو میں محفوظ کر دیا ہے۔ ہم صفی مرحوم کے چاہنے والے اختر صاحب کے اس گراں قدر کام کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کو ہم پر تیار ان صفی کے نام معنون کیا ہے۔ اس کتاب میں صفی کے ۶ اشعار کو تصویروں سے منعکس کیا گیا ہے۔ ان کو دیکھ کر عبد الرحمن چغتائی کی ”مرقع چغتائی“ (دیوانِ غالب) کی بے ساختہ یاد آتی ہے۔ فقط

خاکپائے اساتذہ

ریاست علی تاج

لیکچر (ریٹائرڈ)

زیر تبصرہ کتاب میں مشہور شاعر صفی اور نگ آبادی کے خمریات سے متعلق اشعار مع تصویری خاکوں کے شائع کئے گئے ہیں یہ خاکے اشعار کے مفہوم کے مطابق بنوائے گئے ہیں۔ مثلاً ایک خاکے میں مفتی صاحب قرآن خوانی کر رہے ہیں اور شاعر ہاتھ اٹھا کر ان سے کچھ کہہ رہا ہے لیکن اس کے تصور میں ساقی جام بکف ہے اس خاکے پر یہ شعر لکھا گیا ہے۔

بخشنا نے سامرے ساتی نے ذمہ لے لیا
 مصفیان دیں کا ایسے دقت کیا ارشلہ ہے
 طباعت و کتابت کے لحاظ سے یہ کتاب دیدہ زیب ہے، سرورق بھی دکش
 ہے۔ مرتب نے خمریاتِ صفی کو دکش لیکن نئے انداز میں پیش کیا ہے اور اس لئے
 یہ توقع ہے بنیاد نہیں کہ اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی کیجائے گی۔
 راشٹریہ سہارا دہلی
 ۲۷ مئی ۱۹۹۶ء

محبوب علی خاں اختر قادری کی مرتب کردہ کتاب ”خمریاتِ صفی اور نگ آبادی“
 اردو ادب میں ایک ایسا بے مثال اضافہ ہے جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا،
 جس رنگینی اور خوبصورتی کے ساتھ اشعار کو مرتعوں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے ان کو
 دیکھ کر عقل محورہ جاتی ہے۔ اگر ان مرتعوں میں رنگینی ہوتی تو تھوڑی اور جانی آجاتی
 تو شاید مرتع چغتائی بھی اس کو دیکھ کر شرماتا جاتی ولی آرٹسٹ نے اپنی تمام کوششوں
 کو بردے کا رلا کر یہ مرتعے بنائے ہیں۔
 اختر کی یہ پانچویں چنگاوی ہے اس سے قبل انہوں نے تلاذہ صفی، خیالات
 حاوی، اصلاحاتِ صفی اور شعائرِ سخن کے ذریعہ ادبی دنیا میں جو چنگاریاں چھوڑی
 ہیں ان کی چٹ پٹ ادب کے آفت پر ابھی قائم ہے۔

م. ق. سلیم
 ایم اے۔ (عثمانیہ)

انتباس روزنامہ منصف

۳۰ دسمبر ۱۹۹۵ء

جناب اختر کے تلاذہ صفی ۱۹۹۱ء میں شائع کرتے ہوئے شاگردانِ صفی
 کی بھول کا ازالہ کیا۔ پھر اصلاحاتِ صفی ۱۹۹۳ء میں دے کر نو آموز شعراء کو مشعل راہ
 دکھائی اور اب خمریاتِ صفی دے کر میکشانِ غزل کی تشنگی دُور کی۔ جناب اختر نے
 حضرت صفی اور نگ آبادی کے اشعار کو ولی محمد صدیقی آرٹسٹ کے اسٹیجس سے زینت عطا

کر دیا۔ وہ اپنی دھن کے پیچھے اور انفرادیت پسند انسان ہیں۔

رووف رحیم

اقباس

ایم۔ اے (عثمانیہ)

تبصرہ

معتاد وبتان دکن بنگلہ گنج جید آباد

یکم جون ۱۹۹۶ء

خمریاتِ صفی اور نگ آبادی یہ ایک حسین و جمیل شخصہ ہے۔ اہل علم کو صفی شناسی کی منزل کی طرف لہجائے کے لیے استاد کے نام و کام کو جناب اختر صاحب نے بڑی سلیقہ سے پیش کیا ہے جس کو دیکھ کر مرقع چغتائی کی یاد تازہ ہو گئی۔ اور ان کے ذوق کی نفاست کا پتہ چلتا ہے۔ اختر صاحب نے اصلاحاتِ صفی، تلامذہ صفی اور خمریاتِ صفی مرتب و شائع کر کے اپنے استاد کے کارناموں کو حیاتِ جاوید بخشا۔ محبوبِ علیخان اختر قابلِ ستائش ہیں کہ وہ اس دورِ ابتلاء میں حضرتِ صفی کے بارے میں لکھ کر پرستارانِ صفی کو متوجہ کر رہے ہیں کہ دیکھو علم کی خدمت کس طرح کرتے ہیں اور استاد کے نام اور کام کو کس طرح قائم رکھا جاتا ہے؟

نور الاسلام صفی عہدہ
آغا پورہ

المرقوم ۱۳ جون ۱۹۹۶ء

دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو اپنا وجود سیکڑوں ذہنوں پر ترسہم کر دیتے ہیں، ہزاروں دلوں میں قیام کرتے ہیں اور کتابوں میں تاقیامت اپنی شخصیت کو خود دوام بخشتے ہیں ایسی ہی ایک محبوب شخصیت محترم محبوب علیخان اختر قادری کا ہے جن کی زندگی اقبال کے فلسفہٴ عمل سے تعبیر کی جاسکتی ہے! اختر صاحب نہ صرف پیکرِ اخلاص، پیکرِ محبت اور پیکرِ عمل ہیں بلکہ ادیب، شاعر اور محقق بھی ہیں۔ ان کی قابلِ قدر صفت یہ ہے کہ خود فنکار ہوتے ہوئے فنکاروں کی ٹھوس خدمت کرتے ہیں۔ اختر صاحب نے حضرت صفی جیسے عظیم شاعر کی تصانیف کو مرتب کر کے دنیا میں ادب میں پیش کرنے کا سلسلہ "تلامذہ صفی" سے شروع کیا۔ "تلامذہ صفی" اور اصلاحاتِ صفی "جیسی نادر کتب کے بعد اب خمریاتِ صفی" جیسی دل چسپ اور سرور انگیز

کتاب پیش کر کے تشذگانِ شعر و ادب پر ایک اور احسان کیا ہے۔
 "خریاتِ صفی" کی خصوصیت یہ ہے کہ اشعار کو تصویروں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جسے مایہ ناز مصوّر جناب ولی محمد مدنی صاحب نے اپنے کمالِ فن سے مزین کیا۔ "خریاتِ صفی" میں حضرت صفی کے اشعار پر ایسی مناسبت سے تصویریں تارنیں کو تصوراتی دُنیا میں پہنچا دیتی ہیں۔ خریاتِ صفی نہ صرف سخن فہم حضرات کے لیے خوبصورت ادبی سوغات ہے بلکہ ان حضرات کو بھی اپنی طرف متوجہ کیے بغیر نہیں رہتی جنہیں شاعری سے لگاؤ نہیں۔ جناب اختر کی ناقابلِ فراموش ادبی خدمات ان کے اندر کے تعمیری انسان کو دنیا سے شعر و ادب سے نہ صرف روشناس کراتی ہیں بلکہ ادبی ذہنوں سے ان کا رشتہ مضبوط کر کے تلمیذ میں ان کی شخصیت کو ہمیشہ ہمیشہ پر کشش بنائے رکھتی ہے۔

فاروقِ فکیریل
 (ابنِ عدیل)

۲۳ جون

۶۱۹۹۶

ماشاء اللہ ۱۹۹۱ء سے آپ نے کتابوں کے ترتیب کرنے کا ایسا آغاز کیا کہ ادبی اور شعری دُنیا میں مسلسل چراغ روشن ہو رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے اپنی ترتیب کردہ کتابوں کی طباعت و اشاعت کے علاوہ احباب کی کتابوں اور شعری مجموعوں کی اشاعت کا صبرِ آزا محسن اہتمام آپ کی زندگی کے اہم کارناموں میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ اداروں یا انجمنوں کے کرنے کے کام آپ نے اپنی ذات سے انجلم دے رہے ہیں یہ بہت ہی نالائق ستائش قابلِ قدر ایسی یادگاریں ہیں جو تاریخ و ادب کے ساتھ زندہ رہیں گی۔ ہر بار آپ کے یہ کام خوب سے خوب تر کا داد لیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اللہ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے امد آپ کے جو مولوں میں اعجاز کرے۔

خواجہ عین الدین شرمی
 رکنا س امریکہ

۱۶ جولائی

۶۱۹۹۶

جناب اختر دبستانِ صفی سے وابستہ ہیں اسکا لیے حضرت صفی سے بڑی پر
عقیدہ تہذیب و ادب کی رکھتے ہیں، جس کا زندہ ثبوت اختر صاحب کی مطبوعات "تلاشِ صفی"
اور اصلاحاتِ صفی ہیں جو شمالی اور جنوبی ہند کے ادبی سرمایہ میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں۔
کتاب "خریاتِ صفی اور نگ آبادی" جس کا خوبصورت سرورق ہی قاری کو
صفحات اُٹنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ عموماً اردو کتاب کا سرورق ایک یا دو رنگوں پر
مشتمل ہوتا ہے، لیکن مرتب نے خریاتِ صفی کے سرورق کو پانچ الگ الگ رنگوں
سے سجایا ہے جس سے کتاب کی معنویت واضح ہو جاتی ہے۔ کتاب کا ایک ایک صفحہ
بغور مطالعہ کو دعوت دیتا ہے۔

محمد خلیل الدین صدیقی
ایم۔ اے۔ بی ایڈریس راج اسکالر

اقتباس تبصرہ
رہنمائے دکن ۳۰ مئی ۱۹۹۶ء

مکرمی جناب محبوب علی خاں صاحب اختر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۲۱ مارچ کا لکھا ہوا غایت نامہ مجھے کیلیفورنیا میں اپریل میں ملا۔ اور
آپ کی کتاب "خریاتِ صفی" بھی وصول ہوئی۔ آپ ان چند غیر معمولی لوگوں میں سے ہیں جو
وظیفہ کے بعد زیادہ مصروف ہو جاتے ہیں ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۳ء تک چار کتابوں کے بعد
اب "خریاتِ صفی" کی اشاعت اور دو اور کتابوں کا زیرِ طبع ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔
آپ نے حضرت صفی کے تعلق سے جو کام کیا ہے وہ اردو ادب کی ایک اچھی خدمت
ہے۔ "خریاتِ صفی" شاید موقعِ چغتائی کے بعد حیدرآباد سے شائع ہونے والی پہلی
کتاب ہے جس میں شعر کی مناسبت سے موزوں اور خوبصورت اسکیچ شامل ہیں۔ کتاب
میں فارسی اور اردو کے اساتذہ اور مصنفین کے اعلیٰ پایہ کے مضامین سے عربی۔ فارسی
اور اردو میں "خریات" سے متعلقہ اشعار کا ذکر کتاب کی دلچسپی میں اضافہ کرتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کتاب کی بڑی قدر ہوگی۔ غلط

سید ہاشم علی اختر۔ (سابقہ وائس چانسلر

۳۰ جولائی ۱۹۹۶ء

خان والا شان، محبوب علی خان صاحب۔ السلام علیکم

آپ کی فرستادہ کتاب ”خریاتِ صفی“ ذریعہ پوسٹ ہدست ہوئی۔ یاد فرمائی اور کتاب کے عاجلانہ و مخلصانہ ارسال کے لیے ممنون کرم ہوں۔ ابھی چند روز پہلے ایک خط روانہ شد کہ چچا ہوں جو آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں گزرا تھا۔ تین اشعار پر اس کیج کے نمونے بھی آپ نے بھجوائے تھے، جس کے دیکھنے سے اندازہ ہوا تھا کہ کتاب اپنی نوعیت کی بڑی دلچسپ اور مصوّر کے کمال فن کا نمونہ ہوگی۔ کتاب ہاتھ میں آئی تو بغیر پڑھے رکھنے کو جی نہ چاہا۔ (اس مختصر کتاب کو مفید بنانے میں آپ نے اپنے علمی ذوق اور دُور بین نگاہی سے کام لیا ہے۔ مجھے بے ساختہ جگر کا شعر یاد آ گیا ہے

ذرا سادہ ہے لیکن کم نہیں ہے

اسی میں کونسا عالم نہیں ہے

واقعی یہ کام آپ نے بہت کارآمد کیا کہ صفی پر لکھے گئے مضامین اور کتابوں اور نیران کے تمام مجموعہ کلام کی فہرست مرتبین اور مضمون نگاروں کے ناموں کے ساتھ مع سنہ و تاریخ کتاب کے آخر میں لکھ دی جو صفی پر کام کرنے والوں کو پڑھنے اور سمجھنے والوں کے لیے بڑی رہبری کا کام دیتی ہے۔ اس کے ساتھ اپنی پیش بہا مرتب کردہ کتابوں پر اہلِ علم اور نقادانِ فن کی زرین رائیں اور مفید تبصرے شامل کتاب کر کے، کتابوں کی افادیت پر گویا مہر تصدیق ثبت کر دی۔ آپ صرف خمریاتِ صفی کے عنوان پر اشعار پیش کر دیتے تو بھی وہ ایک علمی کام ہوتا لیکن آپ نے یہ کمال کرویا کہ شاعر کے خیال کی تصویر کاغذ پر کھینچ دی جس سے شرکی و لکشی میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ مصوّر دکن ولی محمد صاحب کی فن کارانہ مہارت کی بنائی ہوئی یہ تصویریں ہیں اور اہلِ ذوق وادب سے بغیر نہ رہیں گے۔

ناچینہ

محمّد نور الدین خان

یکم اپریل ۱۹۹۵ء

امریکہ

حضرت صفی اختر صاحب کے دادا استاد ٹھہرتے ہیں اس رشتے سے۔
موصوف نے صفی کے کارناموں کو پیش کرنے کا ایک مہم سر کر رکھی ہے چنانچہ
اب تک دو کتابیں اصلاحاتِ صفی اور تلاذہ صفی شائع ہو چکی ہیں اور یہ تیسری
زیرِ نظر کاوش تو بڑی دقیقہ نظری کی متقاضی تھی جس کے لیے مرتب نے سارے
کلامِ صفی کو بڑی جانفشانی سے کھنگالا اور خمریاتِ صفی کا ایک محکمہ ستہ اہلِ علم
و ادب کی نسیکینِ ذوق کے لیے پیش کیا ہے۔ جس کی جس قدر قدردانی جائے کم ہے۔
خمریات کی ایک روایت میں مرقع نگاری بھی شامل ہے۔ رباعیاتِ خیام کے
بیشتر ایڈیشنوں میں اس کی خاص رعایت رکھی گئی ہے اختر صاحب نے اس
روایت کو زبردہ رکھتے ہوئے اشعارِ صفی پر بڑے خوبصورت خاکے بھی شریک
کتاب کر دیئے ہیں جس سے یہ شراب دو آتشہ ہو گئی ہے۔ اس لیے شاید مرتب
یہ کہنے میں حتیٰ بہ جانب ہو گا کہ

پیو کہ سفت لگادی ہے خونِ دل کی کشید
گراں ہے ابکے بے لالہ فام کہتے ہیں!
(ضیق)

مفطرِ معجاز
۸، اگست ۱۹۶۰ء

فرح کالونی
سعید آباد

انشائے صفی

آپ کا تحفہ انشائے صفی بلا۔ آپ کے طبع اب ستھ زیادہ ہو گئے ہیں کہ ان کا شمار رکھنا بجا
مشکل ہو گیا ہے۔ انشائے صفی ایک اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔ آپ نے صفی پر جتنا کام کیا ہے
اس کی داد الفاظ میں نہیں دی جاسکتی۔ کتاب میں آپ نے مجھ گناہ کے تین خطوط شامل کئے آپ
نے مجھے نوازا۔ بہ شرطِ فرصت صفی کے خطوط کی سیریز کے آٹھ مروجہ سے نصف ملاقات کروں گا۔
امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

محترم اختر گھڑ صاحب . سلام مسنون

انشائے صفی اور نگ آبادی کا ایک نسخہ آپ کی عنایت سے وصول ہوا جس کے لیے شکریہ ادا ہوں۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ حضرت صفی کے خطوط یکجا مرتب کر کے شائع کر دیے۔ خطوط دلچسپ اور انداز بیان دلکش ہے۔ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید کا مطالعہ خطوط بھی خوب ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر میں آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مخلص

ڈاکٹر جمیل جالبی

۲۱ دسمبر ۱۹۹۶ء

سابق وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی

آپ کا تحفہ انشائے صفی ملا۔ آپ کے عطیے اب اتنے جمع ہو گئے ہیں کہ ان کا شمار رکھنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ انشائے صفی ایک اور قابل قدر اضافہ ہے۔ آپ نے صفی پر جتنا کام ہے اس کی داد الفاظ میں نہیں دی جاسکتی۔ کتاب میں مجید گٹنام کے تین خطوط شامل کر کے آپ نے مجھے نوازا۔ بہ شرطِ فرصت صفی کے خطوط کی سیر کر کے آں مرحوم سے نصف ملاقات کر لوں گا اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

پروفیسر نکین چند جین

اندرانگو۔ لکھنؤ

مکرمی جناب اختر گھڑ صاحب . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے کرم نامہ کا جواب اس قدر تاخیر سے دینے کے لیے معافی کا خواست گزار ہوں۔ ۲۸ جون سے کسی نہ کسی بیماری کی وجہ سے دو دفعہ ہسپتال میں بھی شریک ہونا پڑا، جس کی تفصیلات جناب نور الدین خاں صاحب کے خط میں لکھ چکا ہوں۔ کتاب پر تبصرہ و تسک ہے۔ پہلے تو مختصر لکھنے کا خیال ہوا لیکن خطوں میں دلچسپ جملوں اور باتوں کی وجہ سے میں نے اختصار کا خیال چھوڑ دیا۔

اُمید ہے کہ آپ اور آپ کے اہل خاندان خیریت سے ہوں گے۔ خیر اندیش

سید ہاشم علی

(امریکہ)

محترمی و مکرمی آنسگر صاحب۔ سلام و رحمت

”انشائے صفی اور نگ آبادی“ کے لیے بیدر ممنون و مشکور ہوں۔ اس خوبصورت کتاب کی تدوین و ترتیب اور اشاعت پر میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔ ۱۹۹۱ء کے بعد سے آپ نے یکے بعد دیگرے ”تلامذہ صفی اور نگ آبادی“ ”اصلاحاتِ صفی اور نگ آبادی“ اور ”انشائے صفی اور نگ آبادی“ جس مستقل مزاجی اور نڈکیٹ صرف کر کے شائع کی ہیں یہ آپ کی بلند مقامی، علم دوستی اور اپنے دادا استاد کے ساتھ بے لوث خدمت کی دلیل ہے۔ خدا کرے کہ مجوزہ کتب ”محاوراتِ صفی اور نگ آبادی“ بھی جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہوں۔ علم و ادب تک پہنچ جائے۔ آمین

ان کتابوں کی تدوین و ترتیب آپ نے اس سلیقے سے کی ہے کہ بس گویا تحقیق کا حق ادا ہو گیا۔ آپ کی مرتبہ ”خیالاتِ حاوی“ بھی اسی سلیقے کا پتہ دیتی ہے۔ ان تمام تحقیقی سرگرمیوں کے باوجود آپ نے شعری تخلیق کا عمل جاری رکھا اور ”شعلہ سخن“ جیسا حسین و جمیل مجموعہ شائع کر کے ثابت کر دیا کہ ایک اچھا محقق ایک اچھا شاعر بھی بن سکتا ہے۔ اردو ادب میں آپ کی ان کاوشوں کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

پروفیسر شاقب انول

مولانا آزاد کالج اورنگ آباد

محترمی۔ سلام و نیاز

آپ کی مسلسل نوازشوں کے لیے بیدر ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے۔ آمین

انشائے صفی کی مجھے ایک ہی کاپی ملی۔ تفصیل سے پڑھ لوں تو ”پاکستان انک“ کے لیے بھیج دوں گا۔

حسن چشتی

شکاگو (امریکہ)

اقبالیات — بہ موقع رسم اجراءِ بلاغہ صفی

تلاذہ صفی کے رسم اجراء کے اس جلسہ کی صدارت ڈاکٹر راج بہادر گوڑ دکن بہادر شاہ ظفر ایواڑ لے کر پہلی مرتبہ کسی ادبی اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں! دبستان سے براہِ تعلقی شیر قانونی کی حیثیت سے ہے۔ جن کے زیرِ اہتمام اس کتاب کی اشاعت ہوئی ہے۔ جناب محبوب علی خاں انگر نے ادب کی وراثت کے حصہ داروں کا شجرہ مرتب و عام کر دیا۔ یہی انگر کے ہی شعر سے ان کی کاوشوں کو خراج پیش کرتا ہوں۔

مری ہمت جہاں پیوار بن جاتی ہے کشتی کی

وہاں میرے مقابل کوئی بھی ٹھونا نہیں ہوتا

منوہر راج سکسینہ

سینئر ایڈوکیٹ

۱۶ مئی ۱۹۹۱ء

اردو گھر

محبوب علی خاں انگر نے جو بڑے حوصلے کے ساتھ اس کام کا بیڑا اٹھایا کہ صفی کے شاگردوں کا ایک تذکرہ مرتب کیا جائے! اس میں موصوف کو جن صعوبتوں سے گزرنا پڑا وہ انھیں کا حق تھا، مگر یہ کام ہر کس و نا کس کا بھی نہیں ہے! انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے میں زیادہ! بقول پروفیسر اکبر الدین صدیقی اردو کے تذکرہ نگار، تحقیقی اور میں زیرِ نظر کتاب نمائنداً جو حق کو شیش ہے اس سے پہلے ”مرآۃ الاذکار“ فیض کے شاگردوں کا تذکرہ (بدیع الدین نقاش) تلاذہ مسکھفی (ڈاکٹر مختار الدین آزاد) اور تلاذہ غالب (مالک رام) پر تین تذکرے شائع ہو چکے ہیں، اس طرح انگریزوں نے اپنے آپ کو بھی تذکرہ نگاروں کی صف میں شامل کر لیا۔ دکن والوں پر یہ ایک فرضی کفایہ تھا جسے انگر صاحب نے ادا کیا۔ یہ کام اس لیے بھی اور زیادہ داد و تحسین کا مستحق ہے کہ مصنف نے یہ کتاب صرف اپنے اہلِ اہل و رفیقوں کے لیے نہیں لکھی ہے۔ آرا سن کر لیا ہے کسی ٹرسٹ انجمن یا ایڈیٹری کا احسان اٹھایا ہے نہ لیا۔

ایں کا راز تو آید و مرداں چنیں کنند !
مُفطرِ محبتِ آزار

منصف

۲ جون ۱۹۹۱ء

حضرت صفی بلاشبہ حیدر آباد کے نایندہ شاعروں میں اہم اور دوسرا
مقام رکھتے تھے۔ دبستانِ دکن کا کوئی بھی تذکرہ صفی کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں
سمجھا جائے گا۔ انھن صاحب نے فراہمی مواد کے لیے مکانات کے علاوہ صحیح
تاریخوں کے لیے قبرستانوں کی خاک بھی چھانی ہیں اُن کی کاوشوں کو سراہتا ہوں۔
ڈاکٹر سید داؤد اشرف

منصف

۲۱ مئی ۱۹۹۱ء

مکرمی و محبی محبوب علیخاں صاحب۔

بعد از تسلیم و نیاز معلوم ہو کہ آپ کی بھیجی ہوئی دونوں کتابیں وصول ہوئیں
یہ کتابیں، ہزمِ اردوِ حبّہ کے ”ایوانِ اردو“ میں آنے والے باذوق قارئین کے زیرِ
مطالعہ ہیں۔

حضرت صفی پر آپ نے جس خلوص و اخلاص سے علمی و تحقیقی کام کیا ہے وہ قابلِ
تحسین و صد آفرین ہے۔ خود آپ پر جناب م. ق. سلیم کا کیا ہوا علمی کام اور
”مطالعہ“ بھی لائقِ ستائش ہے آخر میں حضرت شادِ عظیم آبادی کا ایک شعر آپ کی
نذر ہے۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم

اے اہلِ زمانہ قدر کرو، نایاب نہ ہوں، کمیاب ہیں ہم

فقط

شرمندہ التفات

شریف اسلم

حبّہ

۲۵ جولائی ۱۹۹۱ء

جناب م. ق. سلیم کی تہ کتاب ”محبوب علی خاں خٹک ایک مطالعہ“ پر مشاہیرِ شعر و ادب کی آراء

مکرمی اختر حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے خوشی ہے کہ محمد قطب الدین سلیم صاحب نے آپ جیسے اردو کے خدمت گزار پر ایک کتاب لکھنے کا خیال کیا اور بڑی تحقیق کے بعد ایک اچھی کتاب شائع کر سکے! محفوں نے آپ کی کتابوں پر تبصرے بھی لکھے اور دوسرے مشاہیرِ ادب کے مضامین اور تبصرے بھی شائع کئے ہیں۔ میں اس کتاب کے لیے محمد قطب الدین سلیم صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اور آپ کو بھی اس لیے کہ اردو میں سوانح عمریوں کی بہت کمی ہے اور آپ کی یہ سوانح عمری اس میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ خدا آپ کو صحت اور عمر عطا فرمائے اور آپ اس طرح اردو کی خدمت کرتے رہیں۔

مخلص

نیرول (امریکہ)

۱۸ ستمبر ۱۹۶۷ء

سید یاشم علی اختر
 سابق داس چانسلر شانیہ ونگلنگ
 یونیورسٹی

مکرمی اختر حسن صاحب سلام ورحمت

محبوب علی خاں خٹک ”ایک مطالعہ“ م. ق. سلیم صاحب نے مرتب کیا ہے۔
 اس نیک اقدام کے لیے خٹک صاحب کے ساتھ سلیم صاحب بھی پوری طرح مبارکباد کے

مستحق ہیں کہ انھوں نے حیدر آباد فرخندہ بنیاد کے ایک جیلے فرزند (اخگر صاحب) کے فکر و فن پر ایک اچھی کتاب مرتب کر کے شائع کر دی۔ یہ کتاب تدریس کے امور کے عین مطابق ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب سے اخگر شناسی اور حیدر آباد شناسی کی فضا عام ہوگی۔

پروفیسر عنوانِ حشری
(شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

۱۴ جون

۱۹۹۶ء

برادرِ امیر صاحب محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ
آپ کے کارناموں نے ”محبوب علیخاں اخگر۔ ایک مطالعہ کی صورت
میں خوش آئند نتائج اور قدر دانی کی شکل اختیار کر لی۔ مبرک و عکسی سرورق دیکھ کر
مسرت ہوئی۔ شعر و ادب کی دنیا آپ سے اچھی خاصی واقف ہو چکی ہے اور آپ
کے کام اور نام کی طرح بھی محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ سے قوی توقع ہے کہ آئندہ
تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہے گا۔ والسلام

دریش غازی
(خواجہ معین الدین عجمی)

دچیٹا
کنساس۔ امریکہ

محیٰ اخگر صاحب۔ تسلیم
کل رجسٹرڈ پارسل سے کتاب ”محبوب علیخاں اخگر ایک مطالعہ“ ملی۔ اس تحفے
کے لیے تہہ دل سے مشکور ہوں۔ آپ نے جواب کے لیے ٹکٹ لگا کر لفاظی بھیجا، میں اس
سے شرمندہ ہوا۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔ بہر حال کتاب سے آپ کے سائے کا م
بکجا ہو کر سامنے آگئے ہیں۔ پروفیسر یعقوب عمر کا معنون اصلاحِ سخن اور صفی اورنگ آباد
جامع ہے لیکن انھوں نے شروع کے ۱۵ صفحات میں جو ماضی کے شعراء کی اصلاحات
کی تفصیل دی ہے، وہ غیر ضروری ہے۔ اصلاحاتِ صفی پر میرا مختصر مضمون ص ۵۱۔ ۵۰ پر
ہے۔ اس کے بعد ص ۱۱۱ پر جو میری رائے درج ہے وہ اسی مضمون کا اقتباس ہے۔

یعنی یہ تکرار ہے۔

ص ۱۶۴ پر اقبال مبین لکھتے ہیں ”ہمزہ حروفِ تہجی کا ایک حرف ہے، اس کو اعراب کی طرح استعمال کرنے کی بے راہ روی کچھ اس طرح راہ پا گئی ہے کہ بے شمار الفاظ کا غلط اِلا اپنی صحیح شناخت کھو چکا ہے“

شاید یہ صفی کی رائے ہے۔ عربی میں ہمزہ یقیناً ایک علیحدہ حرف اور آواز ہے۔ اردو میں عربی ہمزہ کی آواز نہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں۔

”اردو میں ہمزہ علامتِ بے صوت ہے“

میری رائے میں اردو میں ہمزہ عموماً لفظ کے درمیان الف متحرک کا کام دیتا ہے مثلاً: گئے : گ + اے گئی : گ + ای، ماؤف : ماؤف + کھن + او ص ۱۲۵ پر وحید الدین سلیم لکھتے ہیں۔

”میرے خیال میں اس وقت ہندوستان بھر میں جو زبان حیدر آباد کی ہے، وہ کسی خطہ کی نہیں۔“

میرا خیال ہے کہ یہ اہل حیدر آباد کی خوشنودی حاصل کرنے کو لکھا ہے ورنہ حیدر آباد کے باہر والے اس سے شاید اتفاق نہ کریں۔ حیدر آباد میں اردو کے سلسلے میں جتنا زیادہ کام ہوا ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن جہاں تک حیدر آباد کی بول چال کی زبان کا تعلق ہے، ٹی وی اور فلموں میں دکنی کو مزاح پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ صاف گوئی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

معلوم ہوا کہ آپ عمر میں مجھ سے دو سال چھوٹے ہیں لیکن کام بڑے تسلسل سے کیے جا رہے ہیں۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

خلص

پروفیسر گیان چند جین

مکرمی اختِ گرفتار۔ السلام علیکم۔

قطب الدین سلیم سلسلہ کی مرتب کردہ کتاب ”محبوب علی شاہی افکار ایک سلطان“ موصول ہوئی خوشی ہوئی۔ مرتب نے تو آپ کے بارے میں ہر ممکنہ معلومات اس طرح فراہم

کر دی ہیں کہ قلم توڑ دیا ہے لیکن ڈر ہے کہ کہیں آپ نے تو قلم رکھ نہیں دیا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو محنت و توانائی، وقت و وسائل عطا فرمائے تاکہ آپ اسی طرح اُردو کی خدمت میں لگے رہیں اور چند برس بعد آپ کی خدمت کا تذکرہ اس سے زیادہ ضخیم جلد میں شائع ہو۔

آپ کی تصنیفات کی فہرست دیکھ کر پتہ چلا کہ ”ملاذہ صفی“ اور ”خیالاتِ حاوی“ کے علاوہ اور چار کتابیں ”انشائے صفی“، ”ملاحاتِ صفی“، ”خریاتِ صفی“ اور ”شعلہٴ سخن“ آپ نے ہم کو عنایت نہیں کیں، براہِ کرم یہ کتابیں اب بھیجیے اور لکھیے کہ ان کی قیمت اور اخراجات کس قدر مجھ پر واجب الادا ہیں۔

آپ کے بارے میں تازہ کتاب مولفہ سلیم کے لیے مبارکباد۔

طالب الخیر بالخیر والسلام۔ غلص

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد شکیب

۱۲ جون

(لندن)

۱۹۹۷ء

محترمی و مکرمی! سلام و رحمت!

اُمید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ جناب م. ق. سلیم صاحب کا مولفہ ”محبوب علیچاں اختر“ ایک مطالعہ کو وصول ہوا۔ فاضل مولف نے بڑے ہی سلیقہ سے اپنے مددِ روح کی شخصیت کے نجی، علمی، ادبی اور تحقیقی گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ جناب فاروق شکیل کا مضمون ”ماہرِ صفیات جناب محبوب علیچاں اختر“ بہت خوب ہے جو اختصاص کے باوجود مددِ روح کی ادبی کاوشوں کا بھرپور جائزہ پیش کرتا ہے وہیں ان کی کتابوں پر مشابہ ادب کے مضامین، تبصرے اور تاثرات کو تین الگ الگ ابواب میں ترتیب دے کر اور کتاب کے آخر میں ”مختصر کلامِ اختر“ کو شامل کر کے اپنی فکر و فن کا ثبوت بڑی خوش سلیقگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ولی محمد صدیقی صاحب نے کتاب کا سرورق بہت نیکاراز انداز میں تیار کیا ہے اور کتاب نہایت دیدہ زیب بن گئی ہے۔ نظمِ امیر اور باطنی خوبوں کے اس خوبصورت مرقعے کی اشاعت میرِ خلوص ہدیہٴ تہنیت پیش کرتا ہوں۔ براہِ کرم میرے مبارکباد فاضل مولف جناب م. ق. سلیم صاحب تک

بھی پہنچا دیں۔ فقط

مخلص

ثنا قب الزور ۱۴ جون ۱۹۷۷ء
اورنگ آباد

ہمارے مخلص دوستوں میں سے ایک محبوب علیخان اختر کی ذاتِ گرامی بھی ہے۔ جن کے علمی کارناموں کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے کیوں کہ موصوفؒ ایک دم ادگری مدِ انجن کا مصداق ہیں۔ حضرت صفی اورنگ آبادی کے نام اور کام سے آہستہ آہستہ زمانہ ناواقف ہوتا جا رہا تھا اور مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام مفقود ہوتا جا رہا تھا۔ اختر صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے جمع کر کے مختلف کتب خانوں سے مرتب اور دیدہ زیب کتابوں کی صورت میں طبع کرایا۔

مثلاً "تلاذہ صفی، اصلاحات صفی، خمریات صفی، انشاء صفی، مجادرات صفی جس کے باعث موصوفؒ کو "ماہرِ حقیات" کا خطاب دیا جائے تو حق بجانب ہوگا۔ چونکہ اختر صاحب نے صفی مرحوم کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ جواہرات کو جمع کیا اور پھر ان کو دیدہ زیب کتابوں کی صورت میں طبع کرا کے حضرت صفی کے نام اور کام کو عمرِ دوام بخش دی۔

اسی طرح محمد قطب الدین سلیم صاحب بھی لائقِ ستائش ہیں کہ انھوں نے ایک کتاب "محبوب علیخان اختر ایک مطالعہ" مرتب کر کے طبع کرا دی جس کے ذریعہ اختر صاحب کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ فقط
محمد نور الاسلام غنی عنہ
۲۶ جون ۱۹۷۷ء

محبوب علیخان اختر ایک مطالعہ

محبوب علیخان اختر جنوبی ہندوستان کے ایک کہنہ مشق شاعر اور ادیب ہیں اب تک آپ کی سات کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں جن میں ایک شعری مجموعہ "شعلہ سخن" اور تھم تک کردہ کتابیں شامل ہیں۔ لہذا اس شاعر اور ادیب شخصیت اعدان کے

فن کا مطالعہ مولف م. قی. سلیم نے زیرِ نظر کتاب میں پیش کیا ہے۔ کتاب میں مختلف مصنفین کے مختلف عنوانات کے تحت مضامین میں سب سے پہلے مولف نے ایک چارٹ کی شکل میں انجمن کے باب میں اہم نکات اور حقائق پر روشنی ڈالی ہے اور محبوب علیجاں انجمن قادری کے اساتذہ کا شجرہ بھی دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے اساتذہ کا سلسلہ صحیفی مرحوم میر درد، مرزا، سودا اور میر تقی میر سے ملتا ہے۔ ایک اہم مضمون ”انجمن کا تعارف“ ہے جس میں مولف نے انجمن کا ایک بچپن، ان کی تعلیم و تربیت، خاندانی حالات، مذہبی عقائد، ملازمت اور دیگر اہم واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ مولف کے الفاظ میں محبوب علیجاں کو ابتداء ہی سے شہرگونی کا شوق تھا۔ زمانہ طالب علمی میں ہی ان کو شہرگونی کا چمک لگ چکا تھا؛ ”انجمن کے ابتدائی کلام کا نمونہ بھی مولف نے پیش کیا ہے مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بادل سی برس رہی آنکھیں : دیدار کو میں ترس رہا ہوں

اب سوز جگر نہ پوچھ انجمن : میں اپنی ہی آگ میں جلا ہوں

اس کتاب میں فاروق شکیل کا مضمون ”عبوان“ ماہِ صفیات جناب محبوب علیجاں ”انجمن“

بھی کافی پر مغز ہے۔ علاوہ ازیں زیرِ نظر کتاب میں انجمن کی کتابوں سے متعلق جن شاہیر ادب کے مقامین شامل ہیں ان میں خواجہ معین الدین عری، پروفیسر اکبر الدین صدیقی، پروفیسر سید جعفر، خورشید جنیدی، ڈاکٹر خلیل، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر یعقوب عمر، ڈاکٹر محمد علی اثر، سید نظیر علی مدنی، ڈاکٹر اشرف رفیع، سید فضل المتین حشتی، نواز الدین خان، پروفیسر سلیمان الطہر جاوید قابلِ ذکر ہیں۔ مختلف اخبارات و رسائل میں انجمن کی کتابوں پر شاہیر ادب کے تبصرے بھی اس کتاب کی زینت بنے ہوئے ہیں جن میں عزیز قلی، رام لال ناہوی، ضیاء الدین شکیب، حسینی جاوید، پروانہ رد ولوی، پروفیسر یعقوب عمر، اردو بلٹن، بمبئی، اردو ہفت روزہ ”راشترپریہ سہارا“ مدنی وغیرہ شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں

منتخب کلام بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس کلام میں حمدیاتی تعالیٰ، نعت شریف اور چیدریا شامل ہیں۔ ”انجمن کے کلام کا ایک نمونہ دیکھئے۔

یوں تو مرنے کا یقین کس کو نہیں ہے لیکن : موت کے نام سے ہر ایک کو ڈرتے دیکھا

بڑا ہو لاکھ بھی انسان پھر بھی بندہ ہے

بڑا بناتے بناتے اسے خُدا نہ بنا

سہِ ورق پر اخگر کی تصویر کے ساتھ ہی ان کی کتابوں کے سہِ ورق اور نام بھی دیئے گئے، یہی جن کی بدولت زیرِ نظر کتاب کا سہِ ورق خاصا دلچسپ اور پُر مغز بھی بن گیا ہے۔ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی یہ کتاب مناسب ہے۔ لہذا یہ توقع بے بنیاد نہیں ہے کہ ادیبوں اور شعراء کی حیات و تحقیقی کارہائے نمایاں سے متعلق کتب کے قارئین اس کتاب کی بھی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے۔

مورخہ :

تبصرہ :

راشٹریہ سہارا "ہفتہ وار"

۲۳ تا ۲۹ جون ۱۹۷۷ء

نئی دہلی

مہرم احمد صاحب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"انشائے صفی" کے تحفے کے لیے میری طرف سے تشکر قبول فرمائیے۔ یہ حضرت صفی اور نگہ آبادی کے خطوط کا مجموعہ ہے اور اتنا دلچسپ کہ ایک ہی نشست میں ان کو پڑھ لیا واقف یہ ہے کہ مجھ پر پہلی مرتبہ صفی کی شخصیت آشکار ہوئی اور ایک مرد آزاد کی زندگی کے نشیب و فراز نمایاں ہوئے۔ صفی ہیئتِ ظاہری میں خاکسار اور قلندر دکھائی دیتے تھے لیکن وہ ایک فطرتی اور باوقار انسان تھے۔ اُن کا مزاج منطقی تھا اور اسی کی بدولت شاعری میں اُن کی استادِ فن پرستی کی سرحدیں داخل ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ شعر و ادب میں زبان کا استعمال خود ایک تخلیقی عمل ہے اس میں اظہار کا سلیقہ بھی درکار ہے۔ لیکن کوئی وارداتِ قلب جب قواعد کے شکنجے میں کسی جہلے گی تبے جان ہو کر رہ جائے گی۔ شاعری اور ادب میں فن کو ملحوظ رکھنا تو ضروری ہے مگر اس رجحان کو ریاضیاتی پیمائش تک نہ پہنچا دینا چاہیے۔ انشائے صفی کی اشاعت آپ ہی کا کارنامہ ہے، ورنہ یہ خالیدی صاحب کے بس کی بات نہ تھی۔

اس کتاب کے مطالعے سے میری ایک غلط فہمی دور ہوگئی۔ یہود علی نام کی وجہ سے میں انہیں شیعہ سمجھتا تھا۔ ماشاء اللہ وہ تو صدیقی اور حنفی ہیں۔

وحید الدین سلیم

۱۹ اکتوبر ۱۹۹۶ء

صنفی و دیگر شجر

یکوں کرنے کہیں منتِ اعدا نہ کریں گے
ہم وہ ہیں کبھی منتِ اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے (مومن)
موجائیں گے ایسا تو کیا تھا نہ کریں گے (صنفی)

تماشا

دھونڈتی ہے جسے مری آنکھیں
جو تماشا بنا دے خود ہم کو
وہ تماشا نظر نہیں آتا (دلغہ)
وہ تماشا نظر نہیں آتا (صنفی)
کیا تماشا ہے طور پر اب کیوں
ہے عجب طرفہ تماشا جسے دنیا کیسے
وہ تماشا نظر نہیں آتا ! (غزنیہ جگت)

یہ کوئی کہنے میں کہنا ہے الہی تو بہ
ایسے کہنے کو تو چوں چوں کا مڑا کیسے ! (صنفی)

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
پھر اُس نے وعدہ کیا ہم نے انتظار کیا
تمام رات، قیامت کا انتظار کیا (دلغہ)
زبان پر نہیں، صورت پہ اعتبار کیا (صنفی)

جب اپنا ہاتھ رکھا سینہ پر داغ پر میں نے
تو اس خیمہ بن جاتی ہیں باخول اگلیا میری
بہی ہیں بیخ شاہِ جل کے پاخول اگلیاں میری (دلغہ)

شب کو جاگیں بزم میں، وہ دن کو سوئیں
رات کا دن، اور دن کی رات ہے
دوست نے وعدہ کیا ہے دوستو
آج میرے جاگنے کی رات ہے (دلغہ)

گو میں رہا رہیں ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا (غائب)
آیا کبھی نہ خواب میں بھی غیر کا خیال
غفلت میں بھی میں آپسے غافل نہیں رہا (صنفی)

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخنِ اضطراب ہیں
واں ایک خامشی تری، سب کے جواب میں (دوق)
لکھ دی تھی ایک بات اسے اضطراب میں
میں کیا کہوں، جو اس نے لکھا ہے جواب میں (صنفی)

میں نے تم کو دل دیا، تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا، اور تم نے مجھ سے کیا کیا (مومن)
میں نے تم سے کیا کیا، اور تم نے مجھ سے کیا کیا (صنفی)

جہن کا بھول، مئے خانے کا شیشہ، غروش کا تارا (کیفی)
کوئی توئی ہوئی شے ہو موم (پنادل سمجھتے ہیں)
اسے سب لوگ ظالم بے وفا قاتل سمجھتے ہیں
مگر ہم ہیں کہ اپنی جان اپنا دل سمجھتے ہیں (صنفی)